عالمی مجلس تحفظ ختم نبوۃ کا ترجمان

ہفت روزہ

ختمِ نبوۃ

INTERNATIONAL URDU WEEKLY **KHATM-E-NUBUWWAT** KARACHI PAKISTAN

جلد: ۴۰ | ۲۸ ذوالحجہ تا ۵ /محرم الحرام ۱۴۴۳ھ مطابق ۸ تا ۱۵ /اگست ۲۰۲۱ء | شمارہ: ۳۰

اسلامی تقویم
ہجری کی ابتدا

سیدنا عمر فاروقؓ کا عدل و انصاف

حضرت تھانویؒ کی
کُتب و رسائل کی یکجا اشاعت
تاریخی کارنامہ

نیکی چھپتی ہے
نہ گناہ

Website: http://www.khatm-e-nubuwwat.info
http://www.khatm-e-nubuwwat.com
Website: http://www.khatm-e-nubuwwat.org
Email: editorkn@yahoo.com

وصیت ایک تہائی مال میں نافذ ہوسکتی ہے

س:......عرض یہ ہے کہ میں نے دو شادیاں کی ہیں۔ پہلی بیوی سے دو لڑکے، دو لڑکیاں جبکہ دوسری بیوی سے تین لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں۔ میری دونوں بیویاں فوت ہوچکی ہیں۔ میری کُل جائیداد دو مکان ہیں۔ ایک مکان بیوی کے نام اور ایک میرے نام ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ میری پہلی بیوی سے ایک لڑکا فوت ہوچکا ہے، اس کی بیوی نے پورے گھر میں فساد برپا کردیا ہے کہ مجھے جائیداد میں سے حصہ دے دیں۔ اب میں تنگ آ گیا ہوں روزانہ کے فساد سے۔ میری عمر ۶۷ سال کی ہوچکی ہے، اب میں کمانے کے قابل نہیں ہوں۔ انہی دو مکانوں میں میری اولاد بھی رہ رہی ہے اور میں بھی اور کچھ کرایہ بھی آ جاتا ہے جس سے میرا گزر بسر ہوجاتا ہے۔ اب آپ بتائیں اس میں میرا اور میری اولاد کا کتنا حصہ ہے؟

ج:......صورت مسؤلہ میں چونکہ یہ دونوں مکان آپ کے ہیں اور آپ ابھی حیات ہیں، لہٰذا کسی بھی اولاد کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے اور نہ ہی کوئی زبردستی آپ سے مکان کی تقسیم کا مطالبہ کرسکتا ہے۔ آپ کے بعد جو ورثاء ہوں گے ان کے درمیان شرعی حصوں کے مطابق وراثت تقسیم ہوگی۔ جس بیٹے کا انتقال آپ کی زندگی میں ہوگیا ہے اس کا یا اس کی بیوی بچوں کا آپ کی وراثت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

ہاں! اگر آپ چاہیں تو اپنی زندگی میں ان کے لئے کچھ وصیت کرسکتے ہیں۔ شرعاً یہ وصیت نافذ ہوگی اور ان کو بس وصیت کے مطابق ہی ملے گا۔ آپ کو اپنی کُل جائیداد میں سے ایک تہائی تک وصیت کرنے کی اجازت ہے، اس سے زیادہ نہیں کرسکتے، کم کرسکتے ہیں۔

ڈیوٹی کے دوران قرآن کریم کی تلاوت

س:...... میں ایک سرکاری اسکول میں استاد ہوں، چونکہ میں حافظ قرآن ہوں، اس لئے بچوں کو پڑھائی کے ساتھ ساتھ اپنا دو، تین پارے گردان بھی کرتا ہوں، کوشش کرتا ہوں کہ بچوں کا وقت بھی ضائع نہ ہوجائے اور میرا وقت بھی ضائع نہ ہوجائے۔ کیا میرے لئے سرکاری ڈیوٹی کے دوران ایسا کرنا جائز ہے؟

ج:......صورت مسئولہ میں اگر اس سے بچوں کی تعلیم میں کوئی حرج نہ ہو تو ایسا کرنا جائز ہے، مگر تلاوت کرتے ہوئے آپ کی توجہ بچوں کی طرف ہوگی یا قرآن کی طرف؟ اگر قرآن کریم کی طرف توجہ رکھیں گے تو بچوں کی طرف سے بے فکر ہوجائیں گے اور اگر بچوں کی طرف توجہ کریں گے تو قرآن کریم کی تلاوت بے توجہ سے ہوگی جو کہ ٹھیک نہیں، اس لئے بہتر ہے کہ آپ قرآن مجید کی تلاوت کے لئے ڈیوٹی کے علاوہ کوئی دوسرا وقت متعین کریں تا کہ سکون و اطمینان اور توجہ سے تلاوت قرآن کریم ہوسکے۔

واللہ اعلم بالصواب

ہفت روزہ
ختمِ نبوّۃ

مجلسِ ادارت

مولانا سیّد سلیمان یوسف بنوری، صاحبزادہ مولانا عزیز احمد، علامہ احمد میاں حمادی، مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی، مولانا قاضی احسان احمد

جلد: ۴۰ — ۲۸/ذوالحجہ تا ۵/محرم الحرام ۱۴۴۳ھ مطابق ۸ تا ۱۵/اگست ۲۰۲۱ء — شمارہ: ۳۰

سرپرست
حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر مدظلہ
حضرت مولانا حافظ ناصرالدین خاکوانی مدظلہ

مدیر اعلیٰ
مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری

نائب مدیر اعلیٰ
مولانا محمد اکرم طوفانی

مدیر
مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ

معاون مدیر
عبداللطیف طاہر

قانونی مشیر
حشمت علی حبیب ایڈووکیٹ
منظور احمد میؤ ایڈووکیٹ

سرکولیشن منیجر
محمد انور رانا

تزئین و آرائش:
محمد ارشد خرم، محمد فیصل عرفان خان

اس شمارے میں!

ہجری سال کا آغاز اور اس کا پیغام	۴	محمد اعجاز مصطفیٰ
اسلامی تقویم کی ابتداء	۶	مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی
محرم الحرام... تاریخ کے آئینے میں!	۹	مولانا محمد ابوسفیان حسینی
سیّدنا عمر فاروقؓ کا عدل وانصاف	۱۱	عبرت صدیقی
متنازعہ اوقاف قوانین اور گھریلو تشدد کا بل	۱۶	حضرت مولانا زاہد الراشدی مدظلہ
ائمہ مساجد اور اصلاح معاشرہ....	۱۸	مولانا عبدالمتین، کراچی
نیکی چھپتی ہے اور نہ گناہ!	۲۳	مولانا سعید احمد جلال پوری شہیدؒ
حضرت تھانویؒ کی کتب ورسائل کی یکجا اشاعت	۲۵	حضرت مولانا محمد ازہر مدظلہ
خبروں پر ایک نظر	۲۷	

بیاد

امیر شریعت مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ
خطیب پاکستان مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ
مجاہد اسلام حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ
مناظر اسلام حضرت مولانا لال حسین اخترؒ
محدث العصر حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ
خواجہ خواجگان حضرت مولانا خواجہ خان محمدؒ
فاتح قادیان حضرت اقدس مولانا محمد حیاتؒ
مبلغ اسلام حضرت مولانا عبدالرحیم اشعرؒ
مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا تاج محمودؒ
ترجمان ختم نبوت مولانا محمد شریف جالندھریؒ
جانشین حضرت بنوری حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ
شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ
حضرت مولانا سیّد انور حسین نفیس الحسینیؒ
شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانویؒ
شہید ختم نبوت حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خانؒ
شہید ناموس رسالت مولانا سعید احمد جلال پوریؒ

زرتعاون

امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا: ۱۰۰ ڈالر یورپ، افریقہ: ۸۰ ڈالر، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت، مشرق وسطی، ایشیائی ممالک: ۷۰ ڈالر
فی شمارہ ۱۵ روپے، ششماہی: ۳۵۰/روپے، سالانہ: ۷۰۰ روپے

WEEKLY KHATM-E-NUBUWWAT, A/c# 0010010964680019
IBAN NO. PK68ABPA0010010964680019 (انٹرنیشنل بینک اکاؤنٹ نمبر)
AALMIMAJLISTAHAFFUZKHATM-E-NUBUWWAT 0010010964710018
IBAN NO. PK45ABPA0010010964710018 (انٹرنیشنل بینک اکاؤنٹ نمبر)
Allied Bank Binori Town Branch Code: 0159 Karachi.

رابطہ دفتر: جامع مسجد باب الرحمت (ٹرسٹ)
ایم اے جناح روڈ کراچی، فون: ۳۲۷۸۰۳۳۷، فیکس: ۳۲۷۸۰۳۴۰
Jama Masjid Bab-ur-Rehmat (Trust)
Old Numaish M.A.Jinnah Road Karachi
Ph:32780337, Fax:32780340

مرکزی دفتر: حضوری باغ روڈ، ملتان
فون: ۰۶۱-۴۷۸۳۴۸۶
Hazori Bagh Road Multan
Ph:061-4783486

لندن آفس:
35,Stockwell Green
London, SW9 9HZ U.K
Ph:0207-737-8199

ناشر: عزیز الرحمٰن جالندھری — مطبع: القادر پرنٹنگ پریس — طابع: سیّد شاہد حسین — مقام اشاعت: جامع مسجد باب الرحمت ایم اے جناح روڈ کراچی

اداریہ

محمد اعجاز مصطفیٰ

ہجری سال کا آغاز اور اس کا پیغام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کے لئے دن اور رات کا سلسلہ جاری فرمایا پھران کو ہفتہ، مہینہ اور سال کی حدود و قیود میں مقرر فرمایا تاکہ انسان اپنے کاموں کی انجام دہی کے لئے سال، مہینوں اور دن رات کا حساب رکھ سکے۔ اس لئے کہ اس کائنات میں سورج اور چاند کی گردش اور زمین کا تحرک دن و رات، مہینے اور سال کی ابتدا و انتہا کا باعث بنتا ہے۔ سورج کے طلوع ہونے کے ساتھ دن کا آغاز اور غروب ہوتے ہی رات شروع ہو جاتی ہے۔ جب سورج کا زمین کے گرد اپنا ایک چکر مکمل ہوتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ سال مکمل ہوا۔ ہمارے ہاں رائج عیسوی تقویم اسی کو کہا جاتا ہے، جس کا سال جنوری سے شروع ہو کر دسمبر پر ختم ہوتا ہے اور اس میں مہینہ عموماً ۳۰ یا ۳۱ دن کا ہوتا ہے۔ اسلام کی سب سے اہم عبادت اور شہادتین کے بعد اول رکن نماز کی ادائیگی کا مدار اسی سورج کی نقل و حرکت پر ہے، چنانچہ صبح صادق ہوتے ہی سورج طلوع ہونے تک نماز فجر کا وقت ہوتا ہے، سورج ڈھل جانے یعنی زوال کے بعد ظہر کی نماز کا وقت شروع ہوتا ہے، پھر جب سورج کا سایہ انسانی قد کے ایک مثل یا دو مثل ہو جائے تو عصر کی اذانیں ہونے لگتی ہیں، سورج غروب ہوتے ہی نماز مغرب ادا کی جاتی ہے اور اس کے بعد افق پر پھیلی سورج کی لالی یا سفیدی غائب ہوتے ہی عشا کی نماز کا وقت داخل ہو جاتا ہے۔

نماز کے سوا دیگر عبادات و احکام جیسے روزہ، حج، زکوٰۃ کی ادائیگی، صدقۃ الفطر اور قربانی کا فریضہ، عورت کی طلاق اور بیوگی کی عدت، مرد و عورت کی بلوغت کی تاریخ وغیرہ چاند کے منزل بہ منزل سفر پر موقوف ہیں۔ چنانچہ رمضان کا روزہ رکھنا تب فرض ہوتا ہے جب شعبان کی ۲۹؍ تاریخ کو چاند کی رؤیت ثابت ہو جائے یا شعبان کے ۳۰ دن پورے ہو جائیں۔ حج ۹؍ذوالحجہ کو کیا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ ذوالحجہ کا مہینہ بھی چاند کی رؤیت ہی سے شروع ہوتا ہے، اسی طرح ۱۰، ۱۱ اور ۱۲؍ذوالحجہ میں قربانی جیسی عبادت بھی ادا کی جاتی ہے۔ رمضان کے اواخر میں صدقۃ الفطر ادا کیا جاتا ہے، عیدالفطر کی نماز یکم شوال المکرّم کے چاند کی رؤیت کے بعد ادا کی جاتی ہے، زکوٰۃ فرض ہونے کے ایک سال مکمل ہونے کے بعد اس کی ادائیگی کا وقت آتا ہے، اس ایک سال کو بھی چاند کے حساب سے شمار کیا جاتا ہے۔ گویا جس طرح نماز کی بروقت ادائیگی کا تعلق سورج کی گردش کے ساتھ ہے، اسی طرح کئی اسلامی احکام کی ادائیگی اور بجا آوری کا تعلق چاند کے ساتھ ہے، چنانچہ چاند کی زمین کے گرد ایک گردش مکمل ہونے پر قمری سال مکمل ہوتا ہے اور یہی اسلامی تقویم یا ہجری تقویم کہلاتی ہے۔ قمری سال میں مہینہ ۲۹ یا ۳۰ دن کا ہوتا ہے۔

دوسرے خلیفہ راشد سیّدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ہجرت کو ہی پہلا اسلامی سال قرار دے کر محرم الحرام سے سال کی ابتدا اور ذوالحجہ پر اس کا اختتام اسے باقاعدہ رائج فرما کر خلافت راشدہ کے تمام تر امور اس سے وابستہ فرما دیئے تھے اور خلافت راشدہ کے بعد بنوامیہ، بنو مروان، بنوعباس اور بنوعثمان کے ادوار میں بھی یہی اسلامی کیلنڈر سرکاری طور پر رائج رہا۔ آج جب یہ سطور رقم کی جا رہی ہیں تو ۱۴۴۲ھ ختم ہونے کو ہے، یعنی اہل اسلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف جو عظیم ہجرت فرمائی تھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی جس قربانی کی بدولت اسلام کو ابھرنے کا موقع ملا اور پوری دنیا پر اسلامی دعوت و تبلیغ کا پھریرا آب و تاب سے لہرانے لگا، اس ہجرت کو آج ۱۴۴۲ برس بیت چکے ہیں اور اب چودہ سو تینتالیسواں سال شروع ہو رہا ہے۔ مہینوں کی اسی گنتی کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

’’إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْراً فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ‘‘ (التوبہ:۳۶)

ترجمہ: ’’مہینوں کی گنتی اللہ تعالیٰ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں، اللہ کے حکم میں جس دن اس نے پیدا کئے تھے آسمان اور زمین ان میں چار مہینے ہیں ادب کے، یہی ہے سیدھا دین۔‘‘ (ترجمہ از حضرت شیخ الہندؒ)

معلوم ہوا کہ اس قمری تقویم میں بارہ مہینے ہوتے ہیں۔ ان میں چار مہینے ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم الحرام اور رجب المرجب ادب و احترام والے مہینے ہیں، جن میں زمانۂ جاہلیت کے اندر قتل و قتال اور ظلم و فساد کرنا منع تھا اور آج بھی ان کی یہ حرمت برقرار ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فوائد عثمانی میں آیت بالا کے تحت لکھتے ہیں:

’’آج سے نہیں، جب سے آسمان و زمین پیدا کئے خدا کے نزدیک بہت سے احکام شرعیہ جاری کرنے کے لئے سال کے بارہ مہینے رکھے گئے ہیں جن میں سے چار ’’اشھر حرم‘‘ (ادب کے مہینے) ہیں، جن میں گناہ ظلم سے بچنے کا اور زیادہ اہتمام کرنا چاہئے۔ یہ ہی سیدھا دین (حضرت ابراہیم علیہ السلام کا) ہے۔

اسلامی تقویم کے پہلے مہینے کی پہلی تاریخ میں دوسرے خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور دس محرم الحرام کو نواسۂ رسول سیّدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا بمع پورے گھرانے کے سانحۂ شہادت پیش آیا ہے، جب کہ ذوالحجہ جو اسلامی تقویم کا آخری مہینہ ہے، اس کی ۱۸ر تاریخ تیسرے خلیفہ راشد سیّدنا حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت سے رنگین ہے، اسی طرح ذوالحجہ کے مہینے میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے بیٹے حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کا خود کو راہِ خدا میں قربان ہونے کے لئے پیش کرنا بھی اسلامی تاریخ کا ایک عظیم یادگار واقعہ ہے۔ یہ تمام قربانیوں اور جاں نثاریوں کی داستان ہم مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں، اللہ کے حکم کے موافق مال، جان اور وقت سب کچھ قربان کرنے اور کبھی پیچھے نہ ہٹنے کا درس دیتی ہے:

غریب و سادہ و رنگین ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؓ ابتدا ہے اسماعیلؑ

(باقی صفحہ ۲۷ پر)

اسلامی تقویم ہجری کی ابتدائ

مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی

’’تقویم‘‘ (کیلنڈر) ایک قومی، سماجی اور انسانی ضرورت ہے۔ تاریخ محفوظ رکھنے کے لئے، واقعات مرتب کرنے کے لئے، لائحہ عمل طے کرنے کے لئے، بیشتر دینی وشرعی مسائل کا لزوم معلوم کرنے کے لئے اور زندگی سے جڑی ہر یاد کو دوام بخشنے کے لئے تقویم کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ تقویم، انسان کے لئے ضبطِ اوقات کا ایک ناگزیر پیمانہ اور منصوبہ بندی کا اہم ترین معیار ہے؛ اسی لئے زمانۂ قدیم سے انسان ایام وماہ وسال کو یاد رکھنے کا ضرورت مند رہا ہے اور آج بھی ہے۔ مورخین کا خیال ہے کہ عموماً تین بنیادوں پر تقاویم کا اجراعمل میں آیا ہے، چاند، سورج اور ستارے۔ چاند کی گردش کو بنیاد بنا کر جو تقویم منظر عام پر لائی گئی وہ قمری کہلائی، سورج کو معیار بنا کر جس کی ایجاد ہوئی وہ شمسی کہلائی اور ستاروں کی بنیاد پر جو رائج وعام ہوئی وہ نجومی کہلائی۔

امِ سابقہ میں تاریخ کا رواج:

ان تین مآخذ کے علاوہ پچھلی قوموں میں تاریخ معلوم کرنے کے لئے اور بھی مختلف چیزوں کو مدار بنایا جاتا رہا، اس سلسلہ میں امام طبریؒ نے اپنی تاریخ میں امام زہریؒ اور امام شعبیؒ سے روایت نقل کی ہے کہ ان دونوں حضرات نے کہا: جب آدم علیہ السلام جنت سے اتارے گئے اور ان کی اولاد ادھر ادھر پھیل گئی تو ان کی اولاد نے مہبوط آدم کے واقعہ سے تاریخ کا شمار کیا، اور یہ تاریخ حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت تک جاری رہی، پھر لوگوں نے حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت سے غرق کے واقعہ تک تاریخ شمار کی، پھر طوفان نوح کے واقعہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آگ میں ڈالے جانے تک تاریخ شمار ہوتی تھی، پھر اس واقعہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کی بعثت تک اور پھر وہاں سے موسیٰ علیہ السلام کی بعثت تک، پھر وہاں سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور حکومت تک اور پھر وہاں سے بعثت عیسیٰ علیہ السلام تک اور پھر بعثت عیسیٰ علیہ السلام سے بعثت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تاریخ کا سلسلہ چلا ہے۔ امام طبریؒ کہتے ہیں کہ یہ تاریخ کا جو سلسلہ امام شعبیؒ نے بتایا ہے یہ یہود کے مابین رائج تھا۔ (تاریخ طبری: ۱/۱۲۰)

تاریخ عالم کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا بھر میں کم وبیش ۱۵ کیلنڈر رائج رہے اور مرورزمانہ کے ساتھ ان کے اندر مختلف تبدیلیاں، مناسب ترمیمات اور ضروری اضافے ہوتے رہے، کیونکہ وہ تمام انسانی دماغوں کی ایجاد واختراع تھے نیز ان کی بنیاد بھی کسی مضبوط چیز پر نہ تھی؛ جبکہ ان سب کے برعکس اسلامی یا ہجری تقویم کو یہ شرف اور فضیلت حاصل ہے کہ وہ جب سے تجویز ہوئی ہے، اس میں کوئی ایسی قابل ذکر تبدیلی نہیں لائی گئی جو دوسروں میں متعدد بار رونما ہوئیں اور نہ ہی رہتی دنیا تک اس میں کسی ترمیم و تہذیب کی ضرورت پیش آنے والی ہے؛ کیونکہ اس تقویم کی بنیاد منشائے الٰہی کے عین مطابق چاند پر ہے اور چاند کو اللہ تعالیٰ نے سن وسال کی تعیین کا ذریعہ قرار دیا ہے، جیسا کہ سورہ یونس، آیت پانچ میں ارشادِ الٰہی ہے: ’’اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے سورج کو ضیاء وروشنی اور چاند کو اجالے اور چاندنی کے لئے بنایا ہے اور چاند کی منزلیں مقرر فرمائیں تاکہ اس کے ذریعے تم سالوں کی تعداد اور حساب وکتاب معلوم کرسکو‘‘ اور دوسری جگہ سورۃ البقرہ، آیت ۱۸۹ میں فرمایا: ’’(اے نبی!) لوگ آپ سے چاند کی مختلف حالتوں کے بارے میں پوچھتے ہیں، انہیں بتادیں کہ یہ لوگوں کے لئے، (کاروبار کے) اوقات اور حج کا وقت معلوم کرنے کے لئے ہیں۔‘‘ اسی ہجری کیلنڈر کے ۱۲ مہینے ہیں اور خود اللہ تعالیٰ نے سورۂ توبہ، آیت ۳۶ میں یہی فرمایا ہے: ’’اللہ تعالیٰ نے جب سے زمین وآسمان بنائے ہیں، اس کی کتاب میں مہینوں کی تعداد بارہ ہیں۔‘‘ اس آیت سے اور پہلی آیت سے معلوم ہوا کہ سال کے ۱۲ ماہ اور ہر ماہ کے آغاز اور تاریخ کا پتہ چلانے کا ربانی ذریعہ چاند (ہلال) ہے تمام شرعی امور مثلاً رمضان، حج، یوم عرفہ، ایامِ تشریق اور ایام بیض چاند ہی سے معلوم ہوتے ہیں۔ غرض اس ہجری، قمری اور اسلامی تقویم کی بنیاد اِسی فطری اور قدرتی نظام پر قائم ہے؛ جس کے واضح اشارے قرآن مجید میں جگہ جگہ موجود ہیں۔

ہجری تقویم؛ تاریخ وتدوین:

سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ عرب میں قمری کیلنڈر کا رواج تو پہلے سے ہی تھا؛ مگر عہد فاروقی تک سرکاری مراسلات میں صحیح اور مکمل تاریخ کا اندراج لازمی نہ سمجھا جاتا تھا جسے ایک طرح کی دفتری خامی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے اور اس خامی کا علاج حضرت عمرؓ نے مجلس شوریٰ بلاکر کر دیا۔ سنہ ہجری کی ابتداء کیسے ہوئی؟ اس کے متعلق علامہ شبلی نعمانی الفاروق میں یوں رقم طراز ہیں: ۲۱ھ میں حضرت عمرؓ کے سامنے ایک تحریر پیش ہوئی، جس پر صرف شعبان کا لفظ تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا یہ کیونکر معلوم ہو کہ گزشتہ شعبان کا مہینہ مراد ہے یا موجودہ؟ اسی وقت مجلس شوریٰ طلب کی گئی اور ہجری تقویم کے مختلف پہلو زیر بحث آئے جن میں سے ایک بنیادی پہلو یہ بھی تھا کہ کون سے واقعہ سے سن کا آغاز ہو۔ حضرت علیؓ نے ہجرت نبوی کی رائے دی اور اس پر سب کا اتفاق ہوگیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۸ ربیع الاوّل کو ہجرت فرمائی تھی۔ چونکہ عرب میں سال محرم سے شروع ہوتا ہے۔ لہٰذا دو مہینے ۸ دن پیچھے ہٹ کر شروع سال سے سن ہجری قائم کیا گیا۔ اس طرح اس سن کا آغاز یکم محرم الحرام بروز جمعۃ المبارک ۱ھ مطابق ۱۶ جولائی ۶۲۲ء ہے، یہ سن فطری اور حقیقی ہے؛ مگر جاہلیت کے زمانے میں اہل عرب نے دنیا کی دیکھا دیکھی قمری سال کو دنیوی اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لئے شمسی سال کے مطابق کرنا چاہا اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے اضافی دنوں یا مہینوں کی پیوندکاری (کبیسہ، لوند یا لیپ) کا طریقہ اپنایا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے شعائر خصوصاً حج کے ایام میں گڑبڑ پیدا کر دی گئی۔

پھر یہ خلل صرف حج تک ہی محدود نہ رہا؛ بلکہ دوسرے امور میں بھی در آیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے حرمت کے چار مہینے قرار دیئے گئے تھے، ان مہینوں کے متعلق اہل عرب کو یہ ہدایت کی گئی تھی کہ وہ ان مہینوں میں نہ تو آپس میں جدال وقتال کریں گے نہ کسی تاجر یا راہ گیر کو لوٹ کھسوٹ سے پریشان کریں گے۔ یہ مہینے رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم الحرام تھے۔ ان میں تین اکٹھے مہینے حج کے پُر اطمینان سفر کے لئے تجویز کئے گئے تھے؛ چونکہ یہ ایک پسندیدہ دستور تھا۔ لہٰذا اسلام نے اسے بحال رکھا۔ آپ نے خطبۂ حجۃ الوداع میں فرمایا تھا: ''اے لوگو! نسی کفر میں اضافہ ہے، یہ کافروں کو گمراہ کرنے کے لئے ہے۔ کسی سال اس کو حلال ٹھراتے ہیں اور کسی سال حرام کہ اللہ تعالیٰ کے حرام کئے ہوئے مہینوں کی گنتی پوری کرکے اس کے حرام کئے ہوئے کو جائز بنالیں اور جائز حرام کرلیں۔ اب زمانہ پھر گھوم گھما کر صحیح وقت اور اصل صورت پر آ گیا ہے۔ جیسا کہ وہ تخلیق کائنات کے دن تھا۔ مہینوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے یہاں نوشتۂ الٰہی میں جس دن سے اس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا بارہ مہینے ہیں۔ سنو! اب آئندہ نہ کبیسہ ہوگا نہ نسی ہوا کرے گی۔ چار مہینے حرمت والے ہیں، تین پے در پے اور ایک رجب کا مہینہ ہے جو جمادی الاخری اور شعبان کے بیچ میں ہوتا ہے۔ (ملاحظہ کریں: صحیح بخاری بروایت ابی بکرہ) رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی فرمان ہجری سنہ کا مصدر ہے؛ اس سے معلوم ہوتا ہے اسلامی تقویم کی ندرت یہ ہے کہ یہ فطرت سے ہم آہنگ ہے اور ہر سال کبیسہ کے بغیر ۱۲ مہینوں کا ہوتا ہے۔

اسلامی تقویم کا آغاز واقعہ ہجرت سے کیوں؟

ہجری تقویم دنیا کے رائج سنین اور تقویموں میں ایک بہت ہی معروف ومشہور تقویم ہے۔ اس کا نقطۂ آغاز دنیا کی عظیم ہستی اور اللہ تعالیٰ کے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اہم ترین سفر ہجرت ہے، جو حکم الٰہی کی تعمیل کے ساتھ ساتھ، آپ کی سیرت کا درخشاں عنوان اور تاریخ انسانی کا قابل ذکر باب ہے، بلکہ ہجرت اسلامی تاریخ کا ایک اہم موڑ ہے، کفر و ایمان کی کشمکش، حق و باطل کی آویزش اور اسلامی انقلاب کی جدوجہد میں ہجرت کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ ہجرت ایک اہم ترین عبادت، انبیاء کرام کی سنت، دعوت دین کی شاہراہ اور کامیابی وظفر مندی کی دلیل ہے۔

یہاں ایک بات قابل غور ہے کہ صحابہ کرامؓ نے تقویم کے لئے ہجرت کا انتخاب کیوں کیا؟ جو بظاہر درماندگی، شکست اور مجبورانہ اقدام سے عبارت ہے۔ انہوں نے دیگر قوموں کی طرح فتح و ظفر کو مبدأ تاریخ کیوں نہیں بنایا؟ اس سلسلہ میں ایک معروف اسلامی اسکالر رقم طراز ہیں کہ: ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم اسلامی تحریک کی جدوجہد میں واقعہ ہجرت بظاہر تو ایک ناخوشگوار واقعہ ہے؛ لیکن حقیقتاً یہ اسلامی انقلاب کی طرف ایک اہم پیش رفت ہے۔ مسلمانوں نے اسی لئے اپنی تقویم کو کسی شخصیت، خاندان یا قوم کی طرف نسبت دینے کے بجائے ایک نظریہ کی جدوجہد کے ایک مخصوص مرحلے سے نسبت دی ہے۔ مسلمانوں کا سنہ سنہ ہجری ہے جو ہجرت کے واقعہ سے شروع ہوتا ہے چناں چہ ہر دفعہ جب مسلمان اپنے سالِ نو کا آغاز کرتے ہیں تو وہ یہ اپنی تاریخ کی عظیم ترین اسلامی تاریخ کی بھرپور جدوجہد کے لئے ایک ایسے

مرحلے کی یاد تازہ کرتے ہیں جب وہ کسمپرسی اور جبر و تشدد کے ماحول سے نکل کر ایک اسلامی ریاست کے قیام کے مرحلے میں قدم رکھ رہے تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ ہجرت کی تاریخ نئے سال کی یکم تاریخ کے ساتھ اس طرح منطبق ہوگئی کہ ہجرت ہی مسلمانوں کے لئے سال نو کا موضوع بن کر رہ گئی ہے۔ اس طرح جب مسلمان اپنے سال نو کا آغاز کرتے ہیں تو وہ اپنے آپ کو ایک نظریاتی گروہ کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ بلاشبہ ہجرت مدینہ کا واقعہ اپنی تاریخی اہمیت کے لحاظ سے فتح مکہ سے کسی صورت کم نہیں ہے بلکہ شاید کچھ زائد ہی ہے۔ جس روز ہجرت کر کے مکہ چھوڑا جا رہا تھا، اسی روز تاریخ کے ایوان میں مکہ کی فتح کا سنگ بنیاد رکھا جا رہا تھا۔'' (ہجرت رسول سید اسعد گیلانیؒ، نقوش سیرت، ج:۸،ص:۲۵۱)

ہجری تقویم کے بعض خصائص و امتیازات:

ہر تقویم کے کچھ امتیازات ہوتے ہیں اسی طرح ہجری تقویم کے بھی بعض ایسے امتیازات ہیں جو دوسرے سنین اور کیلنڈر میں نہیں پائے جاتے، ان میں سے بعض ذیل میں درج کئے جا رہے ہیں:

ا:... دنیا بھر کے مروجہ سنین کی ابتدا پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ کوئی سن کسی بڑی شخصیت یا بادشاہ کی پیدائش، وفات یا تاجپوشی سے شروع ہوتا ہے یا پھر کسی ارضی یا سماوی حادثہ مثلاً زلزلہ، سیلاب یا طوفان سے، مگر صرف سن ہجری کو یہ اعزاز و شرف حاصل ہے کہ اس کا آغاز دین اسلام کی سربلندی کی خاطر اپنے وطن عزیز کو چھوڑ کر چلے جانے سے ہوا ہے، اپنے وطن کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہنا ایک بہت بڑی قربانی ہے اور ایسے اوقات میں ہر شخص کا دل بھر آتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہجرت کے وقت مکہ کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا: ''اے مکہ! تو کتنا پاکیزہ اور مجھے پیارا لگتا ہے۔ اگر میری قوم مجھے نہ نکالتی تو میں تیرے سوا کہیں نہ رہتا۔'' (ترمذی)

۲:... سن ہجری قمری تقویم ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ماہ و سال کی تعیین کے لئے چاند ہی میقات بن سکتا تھا۔ اس کے برعکس رائج شمسی سال (عیسوی کیلنڈر) فطری سال نہیں بلکہ خالص حسابی سال ہے، جو علم ہیئت اور علم ریاضی پر مبنی ہے اور تاریخ کے مختلف ادوار میں علم ہیئت کے نظریات میں تبدیلی یا اصلاح کے ساتھ ترمیم و تنسیخ سے دو چار رہا ہے۔ (ملاحظہ کریں: وقت، تعریف، اقسام اور ضروری اصطلاحات از پروفیسر رفیع اللہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ مجلّہ دراسات دینیہ ۱۹۹۲-۱۹۹۵ (۱۹۹۶) حوالہ تحقیقات اسلامی جولائی تا ستمبر ۱۹۹۹ء رویت ہلال اختلاف مطالع اور فلکی حساب)

۳:... اختلاف لیل و نہار اور گردش ارض و قمر سے سال و مہینے کا جو فطری نظام ہے، ہجری سنہ بالکل اس کے مطابق ہے قمری سال حقیقی سال ہوتا ہے۔ جب چاند زمین کے گرد ایک چکر مکمل کرلے تو مہینہ اور بارہ چکر مکمل کرلے تو سال پورا ہوتا ہے۔ حالانکہ عیسوی سنہ میں ایسا کچھ استقلال نہیں۔ عیسوی سنہ سال میں ۳۶۵ دن اور تقریباً چھ گھنٹے ہوتے ہیں گویا آخری دن ربع کے اختتام پر ہی سال مکمل ہو جاتا ہے اور دن کا ۳/۴ حصہ اگلے سال میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس طرح بلا منزل پنچ دن ہی میں سال کا اختتام ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تصحیح کے لئے ہر چوتھے سال فروری ۲۹ دن، لیپ سال، ہر صدی کا آخری سال عدم لیپ اور ہر چار صدی کا آخری سال لیپ شمار کیا جاتا ہے اور ہر چار ہزار سال بعد لیپ کا شمار نہیں ہوتا، اتنی حسابی زحمتوں کے بعد بھی عیسوی سال حقیقی نہیں ہو پاتا۔

(جو ہر تقویم از ضیاء الدین لاہوری، ص:۲)

۴:... سنہ ہجری شروع سے اپنی اصل صورت مجوزہ پر باقی اور قائم چلا آ رہا ہے، اس میں ترمیم کی ضرورت نہیں۔ اسلامی تقویم کی یہ وہ منفرد خصوصیت ہے جو غالباً دنیا کے کسی متداول کیلنڈر میں نہیں، عیسوی تقویم بھی اس خصوصیت سے عاری ہے۔ (رحمۃ للعالمین، جلد دوم، ص:۴۵۰)

۵:... بہ لحاظ تداول اور استعمال بھی سنہ ہجری دنیا کے اکثر مروجہ سنین سے قدیم سنہ ہے گرچہ دوسرے مروجہ سنین اپنے اعداد کے لحاظ سے سنہ ہجری سے زیادہ پرانے معلوم ہوتے ہیں۔ (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: رحمۃ للعالمین جلد دوم، ۴۵۰ تا ۴۵۱)

خلاصۂ کلام:

مختصر یہ کہ ہجری کیلنڈر کا اسلام اور مسلمانوں سے بڑا گہرا تعلق رہا ہے، اس کی ترویج و اشاعت کا ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ قرون اولی کے مسلمانوں اور مسلم حکمرانوں نے اسے اولین انتخاب کے طور پر استعمال کیا ہے؛ لیکن افسوس صد افسوس کہ بعد کے زمانوں میں خود ہماری بے شعوری، لاپرواہی اور تساہل کے سبب اس کی وہ حیثیت باقی نہ رہ سکی جو قرون اولی میں اسے حاصل تھی۔ نیز امت کی سیادت و خلافت سے محرومی اور سیاسی و تعلیمی زوال بھی اس کی ایک اہم وجہ ہے؛ کیوں کہ جب کوئی قوم کسی خطہ میں غلبہ پاتی ہے تو وہاں کے باشندوں پر اپنی تہذیبی و معاشرتی بلکہ ہر طرح کے اثرات چھوڑتی ہے۔ (باقی صفحہ 15 پر)

محرم الحرام
تاریخ کے آئینے میں

مولانا محمد ابوسفیان حسینی

ہمارا نظریہ دین اسلام ہے اس کی بنیاد علاقائیت، وطنیت، نسل پرستی یا زبان نہیں ہے، بلکہ ہمارا دین اسلام یہ نہ صرف مذہب ہے بلکہ ضابطہ حیات ہے، ہر قوم کا کوئی نہ کوئی کیلنڈر رہا ہے۔ یہودیوں کا سن ۳۷۰۰ ق م سے شروع ہوتا ہے، عیسوی سن کی ابتداء حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یوم ولادت سے ہوتی ہے، اس طرح بکری سن کی ابتداء مہاراجہ بکر ماجیت کو ساکھا قوم پر فتح حاصل ہونے کے واقعے سے ہوتی ہے، اس طرح سن ہجری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سفرِ ہجرتِ مدینہ کی یاد دلاتا ہے۔ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کا یہ سفر آٹھ ربیع الاول کو ہوا۔ جو عیسوی سن کے مطابق ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء کا واقعہ ہے، یہیں سے اسلامی سال کی ابتداء ہوتی ہے، جس کو سیدنا فاروق اعظمؓ نے اپنے دورِ خلافت میں نافذ کیا اور اسی سال یکم محرم الحرام سے اسلامی سن کی ابتداء کی گئی۔ گویا پہلے اسلام صدی کی ابتداء اور آغاز ۱۶ جولائی ۶۲۲ء کو ہوا۔ اس امر میں بھی ایک عجیب حکمت پنہاں ہے کہ جب پہلی اسلامی صدی کی ابتداء ہوئی تو یکم محرم الحرام کو جمعہ کا دن تھا۔

قمری تقویم اور اس کے فوائد:

اگر ہم سن ہجری کا دوسرے مروجہ سنین سے تقابل کر کے دیکھیں۔ تو یہ سن بہت سی باتوں میں دوسروں سے منفرد وممتاز نظر آتا ہے۔ سن ہجری کی ابتداء چاند کو بنایا گیا اور اسلامی مہینوں کا تعلق چاند سے جوڑا گیا۔ یہ تقدیم خالق کی بنائی چیز سے تعلق رکھتی ہے۔ اس میں کسی پیوندکاری کی کوئی ضرورت نہیں۔ اسلام چونکہ سادہ ، عجز وانکساری والا آسان مذہب ہے (لاکراہ فی الدین) لہٰذا چاند کے ذریعے ہر علاقہ کے لوگ خواہ پہاڑوں میں رہتے ہوں یا کہ جنگلوں میں خواہ جزیروں میں۔ ان کے لئے آسان ہے کہ اپنے معاملات چاند کے مطابق طے کریں۔ اس میں کوئی مشکل و پیچیدگی نہیں۔ پڑھے لکھے اور اَن پڑھ سب آسانی سے حساب کر سکتے ہیں۔ اس کے برعکس دیگر تقویمیں ہر آدمی آسانی سے معلوم نہیں کر سکتا۔ جبکہ چاند ہر جگہ نکلتا ہے۔ کسی مشکل حساب کتاب کی ضرورت نہیں۔ جبکہ دوسری تاریخوں میں یہ بات نہیں۔ اسلام چوں کہ دینِ فطرت اور عدل و انصاف کا دین ہے۔ اس میں مساوات و ہمہ گیری ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہی پسند فرمایا کہ اسلامی مہینے ادلتے بدلتے آیا کریں۔ لہٰذا قمری تقویم کو بنیاد قرار دیا گیا۔ اگر اسلام دیگر اقوام کے طریق کو اپنا لیتا یا گوارہ کر لیتا جیسے شمسی (عیسوی) تقویم تو ماہ صیام کسی ایک مقام پر ہمیشہ ایک ہی موسم میں آیا کرتا جس کا لازمی نتیجہ یہی نکلتا کہ نصف دنیا کے مسلمان جہاں موسم سرد اور دن چھوٹے ہوتے ہمیشہ آسانی میں رہتے۔ اسی طرح سفرِ حج کا بھی یہی حال رہتا۔

محرم الحرام اور تاریخ انسانیت:

طلوع اسلام سے قبل بھی تاریخِ انسانیت کے بے شمار واقعات محرم الحرام میں رونما ہوئے۔ یہ واقعات محض اتفاقی یا حادثاتی نہ تھے۔ بلکہ قسامِ ازل کا اٹل فیصلہ تھا جو ہونا تھا اور ہو کر رہا۔ ذیل میں چند اُن واقعات کا تذکرہ کرتے ہیں جو محرم الحرام میں ظہور پذیر ہوئے:

(۱) اس ماہ میں کائنات کی تخلیق ہوئی۔

(۲) حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے۔

(۳) حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی۔

(۴) حضرت آدم علیہ السلام کو خلافت کا تاج پہنایا گیا (انی جاعل فی الارض خلیفہ)

(۵) سیدنا ادریس علیہ السلام کو درجات عالیہ عطا ہوئے۔

(۶) کشتی نوح علیہ السلام وادی جودی پہ ٹھہری۔

(۷) سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو منصب و مقام خلیل سے سرفراز فرمایا گیا۔

(۸) سیدنا یوسف علیہ السلام صدیق اللہ کو جیل سے رہائی ملی۔

(۹) سیدنا یعقوب علیہ السلام کی بینائی لوٹائی گئی۔

(۱۰) سیدنا یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے رہائی ملی۔

(۱۱) فرعون غرقِ نیل ہوا اور موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ کو کامیابی عطا ہوئی۔

(۱۲) سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر زندہ اٹھایا گیا۔

(۱۳) اس روز قیامت آئے گی۔

(۱۴) اسی ماہ یوم عاشورہ کو اہلِ مکہ خانہ کعبہ پر غلاف چڑھاتے تھے اور اس دن کو یوم الزینۃ کہتے تھے۔

(۱۵) اسی ماہ امام الانبیاء خاتم المعصومین سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے چند سال قبل ابرہہ بیت اللہ پر حملہ کی نیت سے نکلا۔ تو اللہ نے ابابیلوں کا لشکر بھیج کر اسے تباہ و برباد کر دیا۔

محرم الحرام اور تاریخ اسلام:

ذیل میں ہم تاریخ اسلام کے اُن واقعات پر طائرانہ نظر ڈالتے ہیں جو محرم میں رونما ہوئے:

(۱) شعب ابی طالب کی محصوری جو یکم محرم ۷ نبوی۔

(۲) نکاح سیدہ فاطمہ الزہرہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمراہ سیدنا علیؓ ۲ ہجری۔

(۳) غزوہ غطفان ۳ ہجری۔

(۴) نکاح سیدہ اُم کلثومؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمراہ سیدنا عثمان غنیؓ۔

(۵) سلاطین عالم کو دعوت اسلام ۷ھ۔

(۶) غزوہ خیبر ۷ھ۔

(۷) وفد اشعرین کا قبول اسلام ۷ھ۔

(۸) نکاح ام المومنین سیدہ صفیہؓ ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۹) غزوہ وادی القریٰ ۷ھ۔

(۱۰) عام الوفود ۹ھ۔

(۱۱) تقرر عاملین زکوٰۃ ۹ھ۔

(۱۲) طاعونِ عمواس ۱۸ھ۔

(۱۳) امارتِ سیدنا امیر معاویہؓ ۱۹ھ۔

(۱۴) خلافت سیدنا عثمان غنیؓ یکم محرم ۲۴ھ۔

(۱۵) فتح قبرص ۲۸ھ۔

(۱۶) خلافت سیدنا علی المرتضیٰؓ ۳۴ ہجری۔

(۱۷) جنگ صفین ۳۷ھ۔

(۱۸) فتوحات افریقہ ۴۵ھ۔

(۱۹) ابو مسلم کا خراسان پر قبضہ ۱۳۱ھ۔

(۲۰) بنو اُمیہ کا قتلِ عام ۱۳۳ھ۔

(۲۱) قیصر روم کی شکست ۱۳۸ھ۔

(۲۲) مسجد نبوی کی توسیع ۱۶۱ھ۔

(۲۳) مصر پر عیسائیوں کا قبضہ ۳۰۹ھ۔

(۲۴) نوحہ ماتم کی ابتداء ۳۵۲ھ۔

(۲۵) ہلاکو نے بغداد کو تاراج کیا ۶۵۲ھ۔

(۲۶) حکومت شیر شاہ سوریؒ ۹۴۷ھ۔

(۲۷) دارالعلوم دیوبند کا قیام ۱۵/محرم ۱۲۸۳ھ۔

(۲۸) کعبۃ اللہ پر بے ادب ٹولے کا حملہ ۱۴۰۰ھ۔

(۲۹) صدر ضیاء الحق مرحوم کی شہادت اور حکومت کا خاتمہ ۱۴۰۹ھ۔

(۳۰) بے نظیر کی پہلی حکومت کا تختہ اُلٹا ۱۴۱۱ھ۔

(۳۱) نواز شریف کو حکومت سے فارغ کیا گیا۔

(۲۳) یوم فاروق اعظمؓ کی چھٹی منظور کی گئی یکم محرم ۱۴۱۵ھ

برصغیر کی ماہ محرم میں پیدا ہونے والی چند علمی شخصیات:

(۱) امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ مدفون دین پور۔

(۲) شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ اکوڑہ خٹک۔

(۳) شیخ الادب مولانا محمد اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ مدرس دارالعلوم دیوبند۔

(۴) حافظ الحدیث مولانا عبداللہ درخواستی رحمۃ اللہ علیہ مدفون دین پور۔

(۵) مفتی عبدالحکیم سکھروی رحمۃ اللہ علیہ۔

ماہ محرم الحرام میں وفات یا شہادت پانے والی چند شخصیات:

(۱) سیدنا ابو عبیدہ بن الجراحؓ۔

(۲) شہادتِ دامادِ علیؓ سیدنا عمر فاروقؓ۔

(۳) شہادت سیدنا ابو ایوب انصاریؓ۔

(۴) سیدنا عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکر صدیقؓ۔

(۵) سیدنا سعدؓ بن ابی وقاصؓ۔

(۶) اُم المومنین سیدہ جویریہؓ۔

(۷) سیدنا سمرہؓ بن جندبؓ۔

(۸) شہادتِ سیدنا حسینؓ ابن علی المرتضیٰؓ۔

(۹) سیدنا عبداللہ بن عمر فاروقؓ۔

(۱۰) حضرت یوسفؒ بن تاشقینؒ۔

(۱۱) حضرت بابا فرید گنج شکرؒ۔

(۱۲) مرزا مظہر جانِ جاناںؒ۔

(۱۳) علامہ انور شاہ کشمیریؒ۔

(۱۴) مولانا سید اصغر حسینؒ۔

(۱۵) شہید ملت لیاقت علی خانؒ۔

(۱۶) مولانا محمد احمد تھانویؒ۔

(۱۷) سید منیر احمد شہیدؒ۔

(۱۸) شہادتِ سید منظور شاہ ہمدانیؒ۔ ☆☆

سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا عدل وانصاف

عبرت صدیقی

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، خلیفہ اول کی تجویز اور مشورہ کے مطابق بالاتفاق دوسرے خلیفہ منتخب کئے گئے۔ خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے بعد پہلا خطبہ آپ نے ارشاد فرمایا:

''خدا کی قسم! میری حکومت میں سب سے زیادہ کمزور، سب سے زیادہ قوی ہے، جب تک میں اس کو اس کا حق نہ دلوادوں اور میرے نزدیک ''قوی'' سب سے زیادہ کمزور ہے جب تک میں اس سے حق وصول نہ کرلوں۔'' (اسلامی ریاست، ص:۴۰)

ایک مرتبہ فرمایا:

''میں کسی کو اس کا موقع نہ دوں گا کہ وہ کسی کا حق مارے یا کسی پر زیادتی کرے، جو شخص ایسا کرے گا، اس کا ایک گال میں زمین پر رکھوں گا اور اس کے دوسرے گال پر اپنا پاؤں رکھوں گا، یہاں تک کہ وہ حق کے آگے جھک جائے۔''

اور پھر یہ جو کچھ فرمایا اس کے ایک ایک لفظ پر عمل کیا جس کا کھلا ہوا نتیجہ سامنے ہے، مساوات، عدل وانصاف کو اسلام نے قومیت کی مستحکم بنیاد قرار دے کر اس کے ایوان عظیم کو دیوارِ آہن کے مترادف کردیا۔ فتوحات کی صبح نوری نے تمام عالم کو آغوش میں لے لیا۔ عہد فاروقی میں وہ تمام خوبیاں موجود تھیں، جن کی ابتدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی اور ان کے پیش رو خلیفہ اول نے جن کو بڑی عقیدت کے ساتھ اپنایا، بعدازاں فاروق اعظمؓ نے ان پر سختی سے عمل کرکے اسلامی سلطنت کو کافی فروغ دیا۔ عدل وانصاف کے دل دادہ فاروق اعظمؓ کی منصفانہ کارروائیوں سے تاریخ بھری پڑی ہے، انہوں نے کبھی انصاف کے معاملہ میں کسی کے ساتھ زیادتی یا خست سے کام نہیں لیا۔ کوئی بات ان سے بذاتِ خود احیاناً سرزد ہوجاتی تھی تو جب تک اس کا بدلہ نہ اتار دیتے تھے چین سے نہ بیٹھتے تھے، مثلاً:

ایک مرتبہ آپ خلافت کے کام میں منہمک ومصروف تھے، اسی انہماک اور مصروفیت کے عالم میں ایک شخص آیا اور بے ساختہ کہنے لگا: ''امیرالمومنین! میں ستایا ہوا ہوں، مجھ پر ظلم کیا گیا ہے اور فلاں شخص اس کا مرتکب ہے۔'' چونکہ یہ فطری بات ہے جب کوئی انسان کسی کام میں انہماک کی حد تک ڈوب جاتا ہے اور ایسے عالم میں اگر کوئی اسے چھیڑ دے یا توجہ ہٹادے تو بہت بُرا معلوم ہوتا ہے۔ اسی کلیہ کے تحت حضرت عمرؓ کو یہ بے وقت مداخلت اچھی نہیں معلوم ہوئی پاس ہی کوڑا رکھا ہوا تھا، جھلا کر اس کے سر پر ماردیا اور فرمایا: ''جب تمہارے مقدمات کے فیصلے کرتا ہوں اس وقت تو تم لوگ آتے نہیں اور جب میں مسلمانوں کے دوسرے اہم کاموں میں مصروف ہوں تو فریاد لے کر آتے ہو۔'' کوڑا تو ماردیا لیکن اس شخص کی مایوسی اور آزردگی نے طبیعت کو بہت متاثر کیا، وہ ناکام ونامراد واپس جانے والا ہی تھا کہ آپ نے بڑے تپاک سے اس کو روک کر اور اس کے سامنے کوڑا ڈال کر فرمایا: ''میں نے جو تمہارے کوڑا مارا ہے، یہ کوڑا اٹھاؤ اور مجھ سے بدلہ لو۔'' شخص مذکور نے جواباً عرض کیا: ''حضرت! مجھے بدلہ لینے کی ضرورت نہیں، میں خدا کے لئے اور آپ کے لئے معاف کرتا ہوں۔''

حقیقی عدل وانصاف اس وقت تک تشنۂ تکمیل رہتا ہے جب تک خواص وعوام، امیر وغریب، چھوٹے بڑے، غلام وآقا کے درمیان کسی قسم کا امتیاز قائم رکھا جاتا ہے، کامل مساوات عدل کی روح رواں ہے۔ دیکھا آپ نے عدل کے معاملہ میں حضرت عمرؓ نے اپنی ذات پر بھی رحم نہیں کیا۔ اس معاملے کے امتحان کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود مدعا علیہ کی صورت میں عدالت میں جاتے، اکثر امتیازی سلوک دیکھ کر قاضی کو تنبیہ کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ (حضرت عمرؓ) میں اور حضرت اُبی بن کعبؓ میں کچھ نزاع تھی۔ حضرت ابیؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ کی عدالت میں جو اس وقت قاضی کے عہدہ پر مامور تھے، دعویٰ دائر کیا۔ حضرت عمرؓ خلیفۂ وقت تھے مگر بہ نفس نفیس

مدعا علیہ کی شکل میں عدالت میں حاضر ہوئے۔ حضرت زیدؓ نے بخیال احترام وتعظیم حضرت عمرؓ کے بیٹھنے کے لئے جگہ خالی کردی۔ حضرت عمرؓ نے اس امتیازی سلوک پر فرمایا: ''زیدؓ یہ تمہارا پہلا ظلم ہے'' یہ کہہ کر اُبیؓ کے پاس بیٹھ گئے۔ حضرت ابیؓ کے پاس اپنے دعویٰ کا کوئی ثبوت نہ تھا اور حضرت عمرؓ کو لگائے ہوئے جرم سے انکار تھا۔ اسلامی قانون کے مطابق حضرت ابیؓ نے حضرت عمرؓ سے قسم لینی چاہی لیکن حضرت زیدؓ نے اس بات کو خلیفہ کی شان کے منافی سمجھتے ہوئے حضرت ابیؓ سے درخواست کی کہ: ''وہ حضرت عمرؓ کو قسم سے معاف رکھیں'' لیکن اس جانبداری نے حضرت عمرؓ کو برہم کردیا۔ فوراً حضرت زیدؓ کو مخاطب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''جب تک تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمرؓ دونوں برابر نہ ہوں تم منصبِ قضا کے اہل نہیں قرار دیئے جاسکتے۔'' (الفاروق، حصہ دوم)

اسلامی حکومت کے خدوخال، مکمل طور پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں نمایاں ہوکر عالم آرا ہوئے۔ چنانچہ آپ کی خلافت عدل وانصاف کے جس بلند معیار کو پہنچ گئی تھی، اس سے زیادہ بلندی کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ یہ دور نہایت پُرامن تھا اور راحت وسکون کے اعتبار سے دنیا کی تاریخ کا اہم اور زریں باب شمار ہوتا ہے۔

حضرت عمرؓ زیادہ سے زیادہ دانشور اور اہل تر اشخاص کو اس خاص عہدہ پر مامور فرمایا کرتے تھے، مگر تعیناتی اور تقرری سے پیشتر ان کی صلاحیت کا امتحان بھی لیا کرتے تھے۔ قاضی شُریح جوان کے دور کے ممتاز قاضی تھے، ان کی صلاحیت کی جانچ کے پیشِ نظر ایک مقدمہ میں ان کو ثالث مقرر کیا۔ معاملہ یہ تھا کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص

سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

عدل اور انصاف ہیں زیبِ دبستانِ عمرؓ
مطلعِ صبحِ شجاعت ہے گریبانِ عمرؓ

عرصہ عہدِ خلافت، اک مثالی دور تھا
شام تیرہ پر گراں صبحِ درخشانِ عمرؓ

ہوگئی مقبول آخر سرورؐ دیں کی دعا!
جگمگایا نور کی کرنوں سے ایوانِ عمرؓ

اللہ اللہ یہ مقام و مرتبہ فاروقؓ کا
دل شہِ جنّ و بشر کا اور ارمانِ عمرؓ

بے بسوں کی درد مندی اسوۂ فاروقؓ ہے
بے کسوں پر سایۂ شفقت ہے دامانِ عمرؓ

گشت، طیبہ کی گلی کوچوں میں اُن کا رات بھر
زندگی پر آج تک باقی ہے احسانِ عمرؓ

ہو کوئی مفلس کہ طالب ہو کوئی انصاف کا
تھی مسلمانوں کی خاطر وقف اک جانِ عمرؓ

زندگی کا گوشہ گوشہ ہو رہا ہے فیض یاب
ظلمتوں میں نور افشاں عظمت و شانِ عمرؓ

دین و دنیا کے مسائل اور تنظیمی امور
ضامنِ خوش حالیِ ملت ہے فیضانِ عمرؓ

عدل، ایماں، دوستی، اخلاق، دانش، آگہی!
کتنی شمعوں سے منور ہے شبستانِ عمرؓ

تھیں فتوحات عمرؓ چاروں طرف پھیلی ہوئی
روشنی کا اک جہاں، شمعِ فروزانِ عمرؓ

جاؤں غازیؔ حشر میں جس وقت میں پیشِ خدا
ہو نظر میری نبیؐ پر، سر پہ دامانِ عمرؓ

قاری محمد مسلم غازی

سے پسندیدگی کی شرط پر ایک گھوڑا خریدا۔ اتفاق سے دوران سواری گھوڑا چوٹ کھا گیا اور داغدار ہوگیا۔ حضرت عمرؓ نے اسی حالت میں اس کو واپس کرنا چاہا گھوڑے کے مالک نے لینے سے انکار کیا اس پر نزاع ہوگئی اور حضرت شریح اس میں ثالث مقرر ہوئے انہوں نے فیصلہ دیا کہ اگر سواری مالک کی اجازت سے کی گئی ہے تو گھوڑا بایں ہیئت کذائی واپس کیا جاسکتا ہے اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہے تو گھوڑا اس حالت میں واپس نہیں کیا جاسکتا۔ گھوڑے کا مالک اس میں حق بجانب ہے۔ حضرت عمرؓ بھی اسی بات کے قائل تھے، چنانچہ انہوں نے شریح کی قانونی نکتہ فہمی اور ذہانت کو دیکھ کر ان کو کوفہ کا قاضی مقرر کردیا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنے معاملہ میں بھی کسی امتیاز یا تفوق کو پسند نہیں فرماتے تھے، شاہان مصر کے قاصد آ کر مسجد نبوی میں آپ کو تلاش کیا کرتے تھے کہ اسلام کا وہ باجبروت شہنشاہ جس کے نام سے شہنشاہان عالم کانپتے ہیں۔ حالانکہ خلیفہ محترم پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنے ایک گوشہ مسجد میں بیٹھے ہوتے تھے، حضرت عمرؓ کے امراء وعمال ان کو برابری کے القاب لکھا کرتے تھے، جس طرح وہ اپنے امرأ وعمال کو لکھا کرتے تھے:

عدل کی روح رواں حضرت عمرؓ فاروق ہیں
رہبر پیر و جواں حضرت عمرؓ فاروق ہیں

(الفاروق)

آپ اپنے آقا و مولا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے مقتدا اور خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہدایتوں پر ہمہ تن تادمِ حیات عمل پیرا رہے۔ آپ نے نہ صرف تاریخ اسلام بلکہ تاریخ حیات انسانی کو وہ زریں باب عطا کیا جس کی غیر فانی ضوسینۂ تاریخ انسانی کو اپنی جگمگاہٹوں سے رہتی دنیا تک منور و مزین کرتی رہے گی۔ ان کے اس نظام امن افروز کے مطالعہ کے بعد مسٹر گاندھی نے کہا تھا: ''ہندوستان میں آزادی حاصل کرنے کے بعد فاروقیؓ نظام رائج کیا جائے گا۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے اہل وعیال کو برابر تاکید فرماتے رہتے تھے کہ اگر تم میں سے کوئی ایسے ممنوعہ اور نازیبا کاموں میں مبتلا پایا گیا جن کے متعلق میں نے ممانعت کردی ہے اور وہ فعل اسلام کے اصولوں کے برعکس اور منافی ہوگا تو تم کو اوروں کی نسبت دوگنی سزا دوں گا۔

انصاف کے معاملہ میں مسلم اور غیر مسلم کے درمیان کوئی تخصیص نہ تھی۔ حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مسلمان اور ایک یہودی میں جھگڑا ہوگیا۔ دونوں فیصلے کے لئے بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوئے۔ حضرت عمرؓ کے نزدیک یہودی حق بجانب تھا۔ اس لئے آپ نے اس کے مطابق فیصلہ کردیا۔ اس پر یہودی نے کہا: خدا کی قسم! آپ نے بالکل سچا فیصلہ کیا، دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی صاف نظر آرہا ہے۔

حضرت عمرؓ نے مسکراتے ہوئے بطور خوش طبعی کے ایک درہ مار کر فرمایا: ''تم کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟'' یہودی نے کہا: بخدا! ہم تو توراۃ میں لکھا ہوا دیکھتے ہیں کہ جو قاضی حق فیصلہ کرتا ہے، اس کے دائیں بائیں جانب ایک ایک فرشتہ مقرر کردیا جاتا ہے، یہ دونوں فرشتے اس کے قول و عمل کو درست رکھتے ہیں اور وہ حاکم جب تک حق پر رہتا ہے حق کے معاملے میں اس کی مدد کرتے رہتے ہیں اور جب وہ حق کو چھوڑ دیتا ہے تو یہ دونوں فرشتے اوپر چڑھ جاتے ہیں۔

(مشکوٰۃ شریف)

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عدلیہ کو جو مقام عطا کیا وہ عدیم المثال ہے۔ ضبط ظاہری سے اس کا دامن پاک ہے۔ یہ قانون عملی طور پر رائج تھا لوگ اس خوف سے کہ جب خلیفہ اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو نہیں بخشتے، چھوٹے بڑے اور یگانہ و بیگانہ میں کسی طرح کی کوئی تفریق نہیں برتتے تو وہ دوسروں کی رعایت کیوں کریں گے، اس لئے لوگوں نے جرم کرنا چھوڑ دیا تھا۔ جرائم کے انسداد کا اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں اگر ہے تو دنیا پیش کرے۔

اسلامی عدلیہ میں بلا امتیاز مذہب وملت، شاہ وغلام، چھوٹے بڑے کے بے لاگ فیصلے کئے جاتے ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کے زمانے میں اس دفعہ کو بہت تقویت پہنچی۔

شام کا مشہور رئیس جبلہ کعبہ میں طواف کررہا تھا۔ ایک مسلمان کے پاؤں کے نیچے اس کی چادر دب گئی اور وہ گرنے سے بچ گیا اس نے جھلا کر اس غریب مسلمان کے منہ پر گھونسہ مار دیا وہ مظلوم سیدھا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور جبلہ کی زیادتی بیان کرتے ہوئے ان سے انصاف کی فریاد کی۔ انہوں نے فوراً جبلہ کو طلب کرکے معاملہ کی تفتیش کے بعد اس مسلمان سے کہا: جس طرح انہوں نے تمہارے گھونسا مارا ہے تم بھی اسی طرح ان سے انتقام لے لو، اس پر جبلہ نے اپنی توہین محسوس کرتے ہوئے کہا: ''ہمارے یہاں یہ دستور نہیں ہے، اس میں میری بے عزتی اور توہین ہے۔'' اس پر معدلت گستر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بلا کسی تذبذب کے فرمایا: ''اسلامی

قانون میں رئیس و غریب چھوٹے بڑے، عوام و خواص کی کوئی تخصیص نہیں۔ اسلام میں سارے مسلمان ایک حیثیت رکھتے ہیں۔ عدل کا تقاضا یہی ہے جو فیصلہ میں نے کیا، اس پر تم کو عمل کرنا ہوگا۔" اس بات کو سن کر جبلہ بہت چیں بر جبیں ہوا اور اپنے ملک میں واپس جا کر اپنے پچھلے مذہب کو اختیار کرلیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عدلیہ کی بنیادیں اس قدر مضبوط و مستحکم کردی تھیں کہ کسی شخص کو کچھ کہنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی تھی۔ قضا کے عہدہ کا معیار بہت بلند کر دیا تھا، جس کے تاثر سے لوگ اس عہدے کا چارج لیتے ہوئے کتراتے تھے، یہی وجہ تھی کہ اسلام کا جھنڈا آناً فاناً ساری دنیا میں لہرانے لگا، لوگ دل سے خلیفہ کے فیصلوں کو تسلیم کر کے امن و چین سے زندگی گزارتے تھے، اخلاص سے بغیر کسی تنبیہ کے خود بخود اسلام میں داخل ہوتے تھے۔ مشرف باسلام ہوتے ہی ایک معمولی سا انسان اسلامی معاشرہ کی ایک باعزت شخصیت بن جاتا تھا:

بڑے عدل پرور تھے فاروق اعظمؓ
زمانے پہ لہرا دیا سبز پرچم

اسلام کے سوا کون سا ایسا نظام زندگی ہے جو انسان میں شعور و ذمہ داری کا ایسا شدید احساس پیدا کرتا ہو کہ لوگ اپنے کثیر فائدہ کو ٹھکرا دیں۔ ایسا شدید احساس رکھنے والے اسلام اور صرف اسلام میں ہی بکثرت نظر آتے ہیں۔ اس احساس ذمہ داری کے پیش نظر لوگ قاضی کے عہدے کو قبول نہیں کرتے تھے۔ حالانکہ اس عہدہ کی تنخواہ زیادہ تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ جو اپنے زہد و تقویٰ اور دیانت و شرافت میں نمایاں حیثیت کے مالک اور جلیل القدر صحابی تھے، اپنے علم و فضل، زہد و تقویٰ، طاعت و عبادات کی وجہ سے ممتاز ترین صحابہ میں ان کا شمار تھا۔ وہ حکومت کے ہر منصب پر فائز ہونے کے اہل تھے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تنبیہ کا یہ اثر تھا کہ ایک مرتبہ خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے فرمایا: "تم لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کر دیا کرو۔" انہوں نے عرض کیا کہ "امیر المومنین! آپ مجھے اس اہم ذمہ داری سے معاف فرمائیں۔" حضرت عثمانؓ نے فرمایا: "تمہیں اس عہدے سے اس قدر نفرت کیوں ہے؟ تمہارے والد محترم تو مقدمات کے فیصلے کیا کرتے تھے۔" حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے جواب دیا: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص قاضی ہو اور وہ انصاف کے ساتھ فیصلہ کرے جب بھی وہ اس لائق ہے کہ اس کی نیکیاں اور بدیاں برابر سرابر ہو جائیں۔" (ترمذی شریف)

ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ: "حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے جواب دیا کہ: امیر المومنین! دو آدمیوں کے درمیان بھی فیصلہ کرنے کی ذمہ داری نہیں لے سکتا۔" حضرت عثمانؓ نے پھر وہی فرمایا: ایسا کیوں؟ تمہارے والد تو فیصلے کیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے فرمایا: "امیر المومنین! ان کی بات اور تھی، انہیں اگر کسی کام میں کوئی دشواری پیش آتی تھی تو وہ حضرت جبریل سے پوچھ لیتے، لیکن میں کس سے پوچھنے جاؤں گا۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس نے خدا کی پناہ طلب کی اس نے بڑی بزرگ ہستی کی پناہ مانگی، نیز یہ بھی سنا ہے کہ جو شخص خدا کی پناہ طلب کرے اسے پناہ دو، اس لئے میں اس سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ آپ مجھے قاضی بنائیں۔ چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان کو چھوڑ دیا اور کہا دیکھو کسی سے اس گفتگو کا تذکرہ نہ کرنا۔" (مشکوٰۃ شریف)

اس سے شدید احساس ذمہ داری کا پتہ چلتا ہے کہ لوگ کس قدر محتاط تھے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس گفتگو کے اظہار سے غالباً اسی لئے منع فرمایا کہ دوسرے لوگ بھی سن کر اس عہدہ کو قبول نہ کریں۔

گورنر یا عامل حکومت کا بڑا معتمد اور قابل احترام فرد سمجھا جاتا ہے، اب تو اس کے ایما سے وزارتیں برطرف کردی جاتی ہیں اور گورنر کی بات بالا رہتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس کے جملہ متعلقین اور مقربین ناجائز فائدہ حاصل کرتے ہیں اور ان سے کوئی باز پرس نہیں ہوتی، یہ اندھیر کسی ایک ملک کی پیداوار نہیں بلکہ دنیا کے بڑے بڑے تہذیب و تمدن کے دعویدار ممالک میں یہ وبا پھیلی ہوئی ہے، مگر اسلامی دور حکومت میں خلفائے راشدین کے زمانہ میں جبکہ خدا شناسی اور خدا ترسی زندگی کا جوہر تھی، عاقبت کا یقین، اعمال کا محاسبہ اور اس پر سزا و جزا کا کامل یقین تھا، اس وقت زندگی کا کچھ اور ہی رنگ تھا۔

عہد فاروقی میں مصر مسلمانوں نے فتح کرلیا تھا، فاتح مصر حضرت عمرو بن العاصؓ کو امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عامل (گورنر) بنادیا تھا، مصری حکومت کا ایک معمولی آدمی مدینہ منورہ میں داخل ہوتا ہے۔ حضرت امیر المومنینؓ صحابہ کرامؓ کے ساتھ جلوہ افروز ہیں۔ اس شخص نے امیر المومنین کو دیکھ کر تڑپ کر گلوگیر لہجہ میں عرض کیا: "امیر المومنین! ایک فریادی حاضر ہے۔" حضرت

عمرؓ حسب عادت فوراً مخاطب ہوکر فرمانے لگے: کیا ہے کہو! کیا ہے؟، وہ جواباً بلاتکلف کہتے ہیں: ’’مظلوم ہوں دادرسی کے لئے حاضر ہوا ہوں، مصر کے گورنر نے گھوڑ دوڑ کا حکم دیا، دوسرے سواروں کے ساتھ میں بھی شامل تھا اوران کا لڑکا محمد بن عمرو بھی اس میں حصہ لے رہا تھا، میں آگے نکل گیا۔ محمد بن عمرو کو جب یہ یقین ہوگیا کہ میں اس سے آگے نہیں نکل سکتا اور میں ہار جاؤں گا، وہ میرے قریب آیا اور برہم ہوکر کہا: ’’خدا کی قسم! میرا گھوڑا آگے رہنا چاہئے اور یہ کہہ کر اس کوڑے سے جو اس کے ہاتھ میں تھا مجھے مارنا شروع کردیا۔ مارتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا میں شریف زادہ گورنر کا فرزند ہوں، میرا کوڑا تیرے سر پر پڑنے کے لئے ہے۔‘‘ حاضرین مجلس میں سے حضرت انسؓ بن مالک کہتے ہیں کہ یہ سن کر حضرت عمرؓ کو غصہ آگیا، چہرہ کا رنگ متغیر ہوگیا۔ خاموش ہوگئے، پھر گورنر مصر عمرو بن العاصؓ کو حکم لکھا، مصری سے صرف اتنا کہا کہ بیٹھ جاؤ۔

’’جس وقت میرا حکم پہنچے تم اپنے بیٹے محمد بن عمروؓ سمیت میرے پاس حاضر ہوجاؤ۔‘‘

تیز رفتار سوار آناً فاناً مصر پہنچ گیا۔ گورنر مصر نے حکم پڑھا، فوراً اپنے بیٹے محمد کو بلا کر دریافت کیا: ’’کیا تم نے کوئی جرم کیا ہے؟، محمد نے جواب دیا: مجھے یاد نہیں کہ میں نے کوئی جرم کیا ہے۔ باپ نے کہا: یہ کیسے ہوسکتا ہے، امیرالمومنین نے تمہیں میرے ساتھ فوراً مدینہ پہنچنے کا حکم دیا ہے۔ باپ بیٹے دونوں فوراً بلاتامل مدینہ روانہ ہوگئے۔ حضرت انسؓ بن مالک کہتے ہیں کہ گورنر مع اپنے بیٹے کے مسجد نبوی پہنچے تو میں بھی وہاں موجود تھا۔ عمرو بن العاصؓ کو دیکھ کر، ان کے لڑکے کو دیکھنے لگے، وہ پیچھے تھا، محمد کو دیکھ کر حضرت عمرؓ مطمئن تھے۔ باپ بیٹوں کو قریب پاکر، حضرت امیرالمومنین نے مصری کو آواز دی، وہ فوراً حاضر ہوگیا۔ حضرت نے اپنا کوڑا اس کے ہاتھ میں دے کر کہا: اس شریف زادے کو کوڑے مار کر اپنا بدلہ لے لو۔ مصری نے کوڑے مارنا شروع کئے یہاں تک کہ وہ بے حال ہوگیا۔ اس کے بعد مصری سے مخاطب ہوکر امیرالمومنین نے فرمایا: ’’اسی کوڑے کو تم عمرو بن العاص کے سر پر بھی مار سکتے ہو کیونکہ ان کے بیٹے سے ان کے اقتدار کے زعم میں یہ فعل سرزد ہوا۔‘‘ مصری نے کوڑا رکھ دیا اور عرض کیا: ’’امیرالمومنین! جس نے مجھ کو مارا تھا میں نے اس سے بدلہ لے لیا۔‘‘

حضرت عمرؓ نے فرمایا: ’’خدا کی قسم اگر تم گورنر کو سزا دینا چاہتے تو منع نہ کرتا کہ یہ ظلم وستم تم پر اس کے عہدہ کی وجہ سے ہوا، تم ہی ان کو معاف کررہے ہو خیر!‘‘ پھر امیرالمومنین گورنر کی جانب مخاطب ہوئے اور فرمایا: ’’اے عمرو! تم نے اپنی گورنری کے زعم میں لوگوں کو کیسے غلام بنالیا ہے، حالانکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد پیدا کیا ہے۔‘‘ پھر امیرالمومنین نے مصری سے کہا: جاؤ اپنے وطن جاؤ اگر گورنر کی طرف سے ادنیٰ جھلک بھی انتقام کی نظر آئے تو مجھ کو لکھنا۔ اس انصاف کی نظیر پیش کرنا، ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔

واقعات کی کمی نہیں۔ تاریخ کا سینہ فاروقیؓ عدل کا گنجینہ ہے، اس کا واحد سبب یہ تھا کہ اسلامی قانون اس زمانہ میں برائے قانون نہیں تھا بلکہ وہ اپنے مقصد کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ بادشاہ اور بڑے بڑے حکام اس کی پابندی کر کے رائج کرتے تھے، یہ قانون اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا قانون ہے مسلمان اس کی نافرمانی کسی حالت میں گوارا نہیں کرسکتا۔ ☆☆

بقیہ:......اسلامی تقویم ہجری کی ابتداء

ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اسلامی تقویم ہجری کے استعمال کی عادت ڈالیں، اپنے روزمرہ کے استعمال میں اس تقویم کو مدنظر رکھیں، اگرچہ! دوسری تقویمات، تاریخوں اور کیلنڈروں کا استعمال گناہ نہیں ہے، شرعاً اس کے اختیار کرنے میں بھی ممانعت نہیں ہے؛ لیکن شمسی تقویم کا ایسا استعمال کہ ہم اسلامی تقویم کو بالکلیہ بھلا ہی بیٹھیں، یہ کسی طرح درست نہیں، اس لئے کہ اسلامی تقویم ہجری کی حفاظت بھی مسلمانوں کا فرض ہے اور اس کے استعمال میں ثواب ہے، جس سے محروم نہیں ہونا چاہئے، نیز! اپنی شناخت اور اپنے امتیاز کو باقی رکھنا بھی ایک غیرت مند مسلمان کے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے، اس معاملے میں اس کی بہتر شکل یہ ہے کہ ہم قمری تاریخ کے استعمال کو ترجیحی بنیادوں پر دوسری تقویم کے مقابلے میں استعمال کریں، خدانخواستہ اگر سب مسلمان اسلامی تقویم ہجری کو چھوڑ بیٹھیں اور بھلا دیں تو سب کے سب اللہ تعالیٰ کے مجرم ٹھہریں گے، اس لئے کہ اسلام کی بہت ساری عبادات کا تعلق و ربط اسی تقویم کے ساتھ ہے، حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر ’’بیان القرآن‘‘ میں رقم طراز ہیں: ’’البتہ چونکہ احکام شرعیہ کا مدار حسابِ قمری پر ہے، اس لئے اس کی حفاظت ’’فرض علی الکفایہ‘‘ ہے، پس اگر ساری امت دوسری اصطلاح کو اپنا معمول بنالیوے، جس سے حسابِ قمری ضائع ہوجاوے؛ (تو) سب گنہگار ہوں گے اور اگر وہ محفوظ رہے تو دوسرے حساب کا استعمال بھی مباح ہے؛ لیکن خلافِ سنتِ سلف ضرور ہے اور حسابِ قمری کا برتنا بوجہ اس کے فرض کفایہ ہونے کے لابد افضل واحسن ہے۔‘‘ (بیان القرآن)

متنازعہ اوقاف قوانین اور گھریلو تشدد کی روک تھام کا بل

حضرت مولانا زاہد الراشدی مدظلہ

متنازعہ اوقاف قوانین کا مسئلہ ابھی چل رہا ہے کہ گھریلو تشدد کی روک تھام کے نئے بل نے ملک بھر کے دینی اور تہذیبی حلقوں کو ایک نئی پریشانی سے دوچار کر دیا ہے اور ان دونوں حوالوں سے بحث ومباحثہ کا سلسلہ جاری ہے۔ گزشتہ دنوں دو اہم محافل میں شرکت کا موقع ملا جن کی روشنی میں اس بارے میں تازہ ترین صورتحال قارئین کے علم میں لانا چاہتا ہوں۔

۱۸؍ جولائی کو اسلام آباد میں جماعت اسلامی کے زیر اہتمام سیمینار تھا جس میں سینیٹ آف پاکستان میں ان موضوعات پر اہم کردار ادا کرنے والے سینیٹر مشتاق احمد اور دیگر سرکردہ حضرات نے ایوان کی صورتحال پر شرکاء کو بریف کیا۔ جبکہ ۱۹؍ جولائی کو لاہور میں ملی مجلس شرعی پاکستان کا ایک اہم اجلاس راقم الحروف کی صدارت میں ہوا جس میں مولانا حافظ عبد الغفار روپڑی، مولانا عبد المالک خان، مولانا عبد الرؤف فاروقی، مولانا مفتی شاہد عبید، ڈاکٹر فرید احمد پراچہ، ڈاکٹر علی اکبر الازہری، مفتی محمد عمران رضا طحاوی، مولانا مجیب الرحمٰن انقلابی، حافظ غضنفر عزیز، مولانا قاری جمیل الرحمٰن اختر، مولانا حافظ نعمان حامد اور دیگر سرکردہ حضرات نے شرکت کی اور سیکرٹری جنرل ڈاکٹر محمد امین نے شرکاء اجلاس کو تازہ ترین صورتحال سے آگاہ کیا۔

ان اجلاسوں کی تفصیلات میں جائے بغیر ان میں زیر بحث آنے والے چند امور اور نکات قارئین کی خدمت میں پیش کئے جا رہے ہیں۔

متنازعہ اوقاف قوانین کا معاملہ جوں کا توں ہے، اس پر مولانا مفتی محمد تقی عثمانی اور سینیٹر مشتاق احمد کی پیش کردہ ترامیم پر غور کے باضابطہ وعدہ کے باوجود کوئی پیشرفت نہیں ہو رہی اور غالباً اس بات کا انتظار کیا جا رہا ہے کہ دینی حلقوں کے اضطراب واحتجاج میں کچھ نرمی آئے تو ان قوانین کو جوں کا توں رکھتے ہوئے ان پر عملدرآمد کا سلسلہ شروع کر دیا جائے۔

نئے اوقاف قوانین کے بارے میں ملک بھر کے تمام دینی حلقوں کا یہ متفقہ موقف مسلسل نظرانداز کیا جا رہا ہے کہ یہ قوانین صریح شرعی احکام کے منافی ہونے کے ساتھ ساتھ مسلمہ انسانی حقوق حتیٰ کہ برطانوی راج کے دور میں مسلمانوں کو حاصل مذہبی آزادی سے بھی متصادم ہیں، اور دستور پاکستان کی بنیادی ہدایات کے خلاف ہیں۔

گھریلو تشدد کی روک تھام کا بل گزشتہ سال قومی اسمبلی میں منظور ہوا تھا اور اس سال اسے سینیٹ آف پاکستان میں پیش کر کے منظور کرا لیا گیا جس کے بعد صدر پاکستان کے دستخط ہو جانے پر اسے نافذ العمل ہو جانا تھا مگر سینیٹ میں اس مسودہ قانون میں چند سرسری ترامیم سامنے آنے کی وجہ سے اسے دوبارہ قومی اسمبلی کو بھیج دیا گیا ہے جہاں سے اس کی منظوری کے بعد یہ باضابطہ قانون کی صورت اختیار کر لے گا۔ اس موقع پر اسپیکر قومی اسمبلی اور دیگر حضرات کی طرف سے اسے اسلامی نظریاتی کونسل کے سپرد کرنے کی بات بھی سامنے آئی مگر ابھی تک اسے اسلامی نظریاتی کونسل کے سپرد نہیں کیا گیا اور لگتا ہے کہ گومگو کی فضا میں اسے اسی صورت میں قومی اسمبلی سے منظور کرا لینے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔

اس بل کے بارے میں بھی دینی حلقوں کا متفقہ موقف یہ ہے کہ یہ شرعی احکام کے ساتھ ساتھ دستور پاکستان اور مسلمہ انسانی حقوق کے بھی منافی ہے اور اس کے عملی نفاذ کی صورت میں ہمارے اس خاندانی نظام کا شیرازہ بکھر سکتا ہے جس کی بنیاد اسلامی احکام وقوانین اور مسلم تہذیبی روایات پر ہے۔

یہ بات بھی اس دوران سامنے آئی کہ ہمارے ہاں بین الاقوامی اداروں کے مطالبات پر قانون سازی کا رجحان پختہ ہوتا جا رہا ہے جیسا کہ حدود آرڈیننس، اوقاف قوانین، گھریلو تشدد کی روک تھام کا بل اور دیگر متعدد قوانین کی منظوری کی صورت میں اس کا مظاہرہ ہو چکا ہے۔ بلکہ یہاں تک سننے میں آ رہا ہے کہ قوانین کی ساخت اور

تشکیل کے ساتھ ساتھ ان کے مسودات بھی باہر سے آئے ہیں اور این جی اوز کے ذریعے جوں کے توں منظور کروائے جارہے ہیں جو کہ دستور کی بالادستی کے ساتھ ساتھ قومی خودمختاری کے بھی منافی ہے۔

سینیٹر مشتاق احمد کا یہ کہنا بھی سنجیدہ توجہ کا مستحق ہے کہ انہیں ان معاملات میں سینیٹر مولانا عطاء الرحمٰن، سینیٹر پروفیسر ساجد میر اور دینی جماعتوں کے دیگر ارکان سینیٹ کا تعاون تو حاصل رہتا ہے مگر تینوں بڑی سیاسی پارٹیاں تمام تر باہمی سیاسی محاذ آرائی کے باوجود ان درآمدی قوانین کو اتفاق رائے سے منظور کرتی جارہی ہیں۔

دستور کی بالادستی اور قومی خود مختاری کو درپیش اس سنگین چیلنج پر سنجیدہ حلقوں میں سخت تشویش واضطراب پایا جاتا ہے بلکہ بعض دوستوں نے تو اجلاسوں میں اسے غلامی کی ایک صورت قرار دیتے ہوئے نئی تحریک آزادی کی ضرورت کا بھی اظہار کیا ہے جسے نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ اس کا نوٹس لینا بہرحال عدالتِ عظمٰی کی ذمہ داری ہے کیونکہ دستور پاکستان کا تحفظ اور پاسداری سب سے زیادہ سپریم کورٹ آف پاکستان کے فرائض کا حصہ ہے۔

اجلاس کے شرکاء کی رائے ہے کہ اول تو سپریم کورٹ کو خود اس کا نوٹس لینا چاہئے کہ پارلیمنٹ میں قوانین کی منظوری دستور کی بجائے بین الاقوامی اداروں کے مطالبات کے حوالہ سے کیوں ہو رہی ہے؟ اور اس کے لئے پارلیمانی قواعد وضوابط اور روایات کو کیوں مسلسل نظرانداز کیا جارہا ہے؟ اور اگر عدالت عظمٰی خود نوٹس نہیں لیتی تو اس کے سامنے باضابطہ طور پر یہ صورتحال رِٹ کی صورت میں لانی چاہئے تاکہ وطن عزیز کو بیرونی دخل اندازی کے اس مخمصہ سے نجات دلائی جاسکے۔

اس صورتحال کو سامنے رکھتے ہوئے ملی مجلس شرعی پاکستان نے عوامی بیداری اور تمام دینی و سیاسی حلقوں سے رابطہ کر کے مشترکہ عوامی جدوجہد کا ماحول پیدا کرنے کی ضرورت پر زور دیا ہے اور اس سلسلہ میں وسیع تر مہم چلانے کا فیصلہ کیا ہے۔ جس کے لئے ٦/اگست کو خاندانی نظام کے تحفظ کے دن کے طور پر منانے کا پروگرام بنایا گیا ہے، جس کے تحت اس روز تمام مکاتب فکر کے علماء کرام خطباتِ جمعۃ المبارک میں اسلامی خاندانی نظام کی ضرورت وافادیت پر روشنی ڈالیں گے اور مختلف اجلاسوں اور ابلاغ عامہ کے دیگر ذرائع کی وساطت سے عوام کو متنازعہ اوقاف قوانین اور گھریلو تشدد کے بل کے نقصانات سے آگاہ کیا جائے گا، ان شاءاللہ تعالیٰ۔

☆☆..................☆☆

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

لوئر دیر کے عہدیداران کی توثیق

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت لوئر دیر کا اجلاس جمعہ کو جامعہ انوار العلوم تالاش میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی مرکزی شوریٰ کے رکن حضرت مولانا مفتی محمد شہاب الدین پوپلزئی مدظلہ اور مولانا محمد عابد کمال مدظلہ کی زیرسرپرستی منعقد ہوا۔

اجلاس میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے ضلعی عہدیداران امیر اور ناظم عمومی کی توثیق کی گئی۔

امیر: حضرت مولانا محمد عمران حقانی مدظلہ (مہتمم جامعہ مدنیہ اوچ غربی)، ناظم عمومی: حضرت مولانا مفتی عرفان الدین مدظلہ۔

اجلاس کے اختتام پر حضرت مولانا مفتی محمد شہاب الدین پوپلزئی مدظلہ نے تمام ذمہ داران کو اپنی قیمتی نصائح سے مستفید فرمایا اور کہا کہ ہماری سعادت ہے کہ رب کریم نے ہمیں عظیم مشن اور عظیم نسبتوں کی امین جماعت سے وابستہ کیا ہے، اس کی پاسداری ہمارے زندگی کا اہم ترین اثاثہ ہے۔

ایک ہفتہ بعد عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت دیر لوئر کے راہنماؤں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عمران حقانی مدظلہ، مفتی عرفان الدین مدظلہ اور ضلعی سرپرست اعلیٰ شیخ الحدیث مولانا فضل وہاب مدظلہ کا دوسرا اجلاس منعقد ہوا، جس میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مقامی عہدیداران نائب امیر، ناظم مالیات، ناظم اطلاعات، ضلعی مبلغین کی توثیق کی گئی۔

نائب امیر: حضرت مولانا سمیع اللہ صدر المدرسین شارجہ مسجد تیمرگرہ، ناظم مالیات: مفتی فرمان اللہ تیمرگرہ، ناظم اطلاعات: مولانا محمد بلال میدان، ضلعی مبلغ: مفتی مجیب اللہ، معاون مبلغ: مفتی کفایت اللہ مقرر ہوئے، اجلاس کے اختتام پر خصوصی دعا کا اہتمام کیا گیا۔ اللہ کریم تمام ذمہ داران کو اخلاص اور استقامت سے کام کرنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ آمین۔

(رپورٹ: مولانا محمد بلال)

ائمہ مساجد اور اصلاح معاشرہ

اہمیت، ضرورت اور لائحہ عمل

مولانا عبدالمتین لیاری کراچی

ائمہ مساجد ہمارے معاشرے کا اہم کردار ہیں اور وہ لوگ ہیں جن کو ہم اپنے معاشرے کا مقدس ترین ادارہ یعنی ''مسجد'' حوالہ کرتے ہیں اور مسجد کے حوالے سے ہم اب تک بخوبی جان چکے ہیں کہ یہ دیگر عبادت خانوں کی طرح صرف مذہبی رسوم وعبادت ادا کرنے کی جگہ نہیں ہے؛ بلکہ مسجد کا ایک اسلامی معاشرے میں بہت وسیع کردار ہے جو صوم وصلاۃ سے بڑھ کر ہماری زندگی کے بہت سے زندہ مسائل سے تعلق رکھتا ہے۔

مسجد نبوی کا کردار:

معاشرے میں مسجد کا کردار سمجھنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں ''مسجد نبویؐ'' کی سرگرمیوں پر غور کیا جائے تو بہت سے سوالات کا جواب مل جائے گا مثلاً آپ کے معمولات میں دیکھا جائے تو آپ صرف پنج وقتہ امامت کے لئے مسجد نبوی نہیں جاتے تھے؛ بلکہ قضاء کی مجالس، تعلیمی سرگرمیاں، سوال و جواب کی نشستیں، تزکیہ کی مجالس وغیرہ سب کچھ مسجد نبوی میں ہوتا تھا یہاں تک کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جس تفصیلی تعلیم و تربیت کے مرحلے سے گزرے ہیں اس کا بیشتر حصہ مسجد نبوی ہی میں انجام دیا گیا ہے۔

یہی مساجد آج ہمارے آس پاس موجود ہیں؛ بلکہ ہر کچّی پکّی گلی میں مسجد موجود ہے، شہر، قریہ، ملک، آباد و ویران، خشکی تری، جنگل بیابان ہر جگہ آپ کو مسجد ملے گی۔ تمام مساجد میں آج بنیادی سہولیات بھی موجود ہیں مثلاً امام، موذن، خادم، انتظامیہ، نمازی (اگرچہ تھوڑے) ایسا ہوسکتا ہے کہ آپ کو کوئی عالم دین بغیر مسجد کے ملے؛ لیکن ایسا نہیں ہوسکتا کہ کوئی مسجد آپ کو بغیر امام کے ملے۔

مسجد ایک وسیع ذریعہ ابلاغ:

اس پہلو کو بہت سنجیدگی کے ساتھ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ مساجد ہمارے معاشرے کے لئے ایک میڈیا سیل کا درجہ رکھتی ہیں۔ ایک ایسا میڈیا اور ذریعہ ابلاغ جو اس کے متعلقین تک دین کا پیغام پہنچا سکے قابل غور پہلو ہے کہ ہماری ہر گلی میں مسجد ہونے کے باوجود ہم اس مسجد کے آس پاس رہنے والوں تک دین کا پیغام نہیں پہنچا رہے اور یہ لوگ مسجد کی تمام ضرورتوں کو پورا کررہے ہیں، اس کے بدلے ہم مسجد کا امام ہونے کی حیثیت سے ان کی دینی ضرورت کا کتنا خیال رکھ رہے ہیں؟ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارا پنج وقتہ مقتدی جب اپنے گھر جاتا ہے اور آج کے مروج ذرائع ابلاغ ٹی وی، موبائل، انٹرنیٹ، اخبار وغیرہ کی طرف بڑھتا ہے تو اس دجالی میڈیا کا نہ ختم ہونے والا جال جو اس کی طرف بڑھتا ہے اور اسے ضروری غیر ضروری ہر عنوان سے باخبر رکھتا ہے جس میں علاقہ، شہر، ملک، بین الاقوامی، سیاست، صحت، کاروبار غرض ہر عنوان کی معلومات فراہم کرتا ہے، جو اس گھر بیٹھے نمازی تک با آسانی پہنچ جاتی ہیں اور وہ انتہائی دلچسپی کے ساتھ اس دجالی میڈیا سے باخبر ہونے کا شوق پورا کرتا ہے۔ اسی طرح میڈیا اس کے ذہن، عادات، گھر اور آس پاس کے ماحول میں جگہ بناتا رہتا ہے اور ایک وقت آتا ہے جب اس نمازی مقتدی کے نظریات، تعلیم، اخلاق، گھر، معاشرت اور معاملات غرض زندگی کے ہر حصے میں میڈیا کی محنت کا اثر دکھائی دیتا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ ہم سے اتنا قریب رہنے کے باوجود دور کیوں ہوتا جارہا ہے اور غیروں سے اجنبیت کا تعلق ہونے کے باوجود ان کی ہر بات میں ہاں میں ہاں ملاتا جارہا ہے۔ مسئلہ دراصل یہ ہے کہ ہم اپنے مقتدی کو کچھ دینا ہی نہیں چاہتے، حالانکہ اگر ہم خلوص دل اور محنت کے ساتھ دین کا پیغام اس تک پہنچانا چاہیں تو وہ شخص ہم سے آسانی اور بہت خوبی کے ساتھ بہت کچھ سیکھ سکتا ہے اور ہم ذیل میں وہ عوامل ذکر کرتے ہیں جن کے سبب ایک عام شخص میڈیا سے کئی گنا زیادہ مساجد سے مستفید ہوسکتا ہے۔

مثال کے طور پر آپ ایک اندازہ لگالیں کہ آپ کے شہر کراچی میں دس ہزار مساجد ہیں

اور ان دس ہزار مساجد میں ہر جمعہ تقریباً ۱۰۰ نمازی (کم از کم اندازہ) جمعہ پڑھنے آتے ہیں۔ اس کا مطلب ہر ہفتہ کم از کم دس لاکھ لوگ مساجد کا رخ کرتے ہیں اور مزید یہ کہ یہ سب کے سب عقیدت، طہارت اور آداب کی حد درجہ رعایت کے ساتھ امام مسجد کے مخاطب بنتے ہیں۔ یہ صرف نماز جمعہ کی مثال ہے؛ جب کہ روزانہ پانچ مرتبہ تقریباً ہر گلی سے کچھ نہ کچھ لوگ مساجد کا رخ کرتے ہیں (جس میں نوجوانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جارہا ہے) تو کیا اس سلسلے میں ہماری یہ ذمہ داری نہیں بنتی کہ ہم ان تمام لوگوں کی تعلیم و تربیت کا مضبوط انتظام کریں، تاکہ ان تمام نمازیوں کا مسجد آنا جانا ان کے اپنے لئے اور اس معاشرے کے لئے اصلاح کا ذریعہ بن جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان پر خلوص اور بھرپور توجہ سے محنت کی جائے تو ان کی ایمانی، اخلاقی، معاشرتی اور تجارتی زندگی میں ایک دینی رنگ چھا سکتا ہے۔

دس نکاتی ایجنڈا:

ائمہ مساجد اصلاح معاشرہ کے لئے کیا کچھ کر سکتے ہیں اس پروگرام کو ذکر کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ کچھ بنیادی باتیں ذکر کی جائیں؛ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ کسی بھی مشن پر جانے والا شخص اپنے مشن اور منزل مقصود کی تمام بنیادی ضروریات کا خیال رکھتا ہے اور اس بات کی بھرپور تسلی کرتا ہے کہ میں نے اپنی کوئی تیاری ادھوری نہ چھوڑی ہو، ٹھیک اسی طرح چونکہ ائمہ مساجد کا اصل مقصد مسجد اور اس مسجد کے آس پاس کے ماحول کو صالح ماحول میں بدلنا ہوتا ہے۔ امام مسجد کا کردار اس ماحول میں موجود تمام لوگوں کے لئے مثالی بن جائے اس کے لئے ضروری ہے کہ:

(۱) امام کا تعلق علاقہ کے لوگوں کے ساتھ صرف مصافحہ کی حد تک نہ ہو؛ بلکہ ان کے احوال کی بھرپور فکرمندی جیسا رویہ ہو۔

(۲) جنازہ اور نکاح نہ پڑھانا ہو تب بھی شرکت کا اہتمام کیا جائے۔

(۳) موقع بموقع اپنے مقتدیوں کی دعوت کی جائے، جس سے لوگوں کے دلوں میں امام صاحب کا وقار بڑھے گا۔

(۴) ضرورت مند ساتھیوں کی امداد کی جائے ورنہ کم از کم ان کے دکھ درد میں شریک ہونے کا اہتمام کیا جائے۔

(۵) مقتدیوں کے علاوہ دوسرے لوگوں سے بھی تعلق رکھا جائے اور مل جل کر بیٹھنے کا اہتمام کیا جائے اور اس میں امیر غریب، صاحب استطاعت اور بے روزگار میں امتیاز نہ برتا جائے۔

(۶) جتنا زیادہ ہو سکے اہل السنۃ والجماعۃ کے عقیدے کو فروغ دیا جائے ورنہ فرقہ واریت کے خدشات بڑھ جائیں گے۔

(۷) نوجوانوں کے پوچھے گئے سوالات کو بالکل بھی نظر انداز نہ کیا جائے؛ بلکہ چھوٹے بڑے تمام سوالات کو اہمیت دی جائے، چاہے وہ سوالات کسی بھی حوالے سے ہوں جن میں خاص کر موجودہ میڈیائی فتنے شامل ہیں جن کو دیکھ کر ان نوجوانوں کے ذہنوں میں دین، ایمان، توحید، رسالت اور آخرت سے متعلق شکوک و شبہات پیدا ہوتے جارہے ہیں۔ ان سوالات کا اگر بروقت تسلی بخش جواب نہ دیا گیا تو ان کا ایمان خطرے میں پڑ سکتا ہے۔

(۸) نوجوانوں کو ان کے مسائل میں ائمہ مساجد رہنمائی نہیں کریں گے تو وہ اپنے مسائل و اشکالات کو بھلا بیٹھنے والے نہیں؛ بلکہ وہ انہی مسائل کے ساتھ جب مختلف تجدد پسند یا گمراہ فکر کے حامل لوگوں تک پہنچتے ہیں تو وہ انہیں اپنے طور پر ان مسائل کا حل پیش کرتے ہیں جس کے نتیجے میں وہ علماء اور تمام تر روایتی فکر سے منحرف ہو جاتے ہیں۔

(۹) ائمہ مساجد اس بات کے حریص ہوں کہ ان کے وجود سے علاقہ کے لوگوں کو جتنا زیادہ دینی فائدہ ہو سکے ہوتا رہے۔

(۱۰) جو بھی بات کہی جائے وہ لوگوں کی ذہنی سطح، ماحول اور ضرورت کے اعتبار سے کہی جائے۔

مقاصد بعثت ایک بہترین لائحہ عمل:

ائمہ مساجد چونکہ علماء ہیں اور علماء انبیاء کے وارث ہیں اور سید الانبیاء علیہ السلام کی زندگی تمام ائمہ کے لئے ماڈل کی حیثیت رکھتی ہے اور ان کی زندگی کا جو مشن تھا وہ قرآن کریم میں بہت وضاحت کے ساتھ بیان ہوا ہے: ''لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ۔'' (سورہ ال عمران)

ترجمہ: ''حقیقت یہ ہے کہ آپ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا کہ ان کے درمیان انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے آپ کی آیتوں کی تلاوت کرے، انہیں پاک صاف بنائے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے، جب کہ یہ لوگ اس سے پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔''

اس آیت میں آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد تلاوت، تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیہ بیان کیا گیا ہے، جس کی توضیح کی آسان صورت یہ ہے:

(۱) تلاوت: تجوید، ناظرہ اور حفظ قرآن، (۲) تعلیم کتاب: قرآن کی تفسیر، (۳) تعلیم حکمت: حدیث رسول، (۴) تزکیہ۔

اخلاقیات اور تربیتی نظام:

یہی چار کام دراصل ائمہ مساجد کی اصل ذمہ داری ہیں، یہ قرآن کریم کا تیار کردہ بہترین لائحہ عمل ہے، جس پر محنت کر کے ائمہ مسجد آس پاس کے ماحول میں موجود ہر فرد کی دینی ضرورت پوری کر سکتے ہیں۔ نیز ائمہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے مقتدی کے دل میں مذکورہ امور کی اہمیت کا بیج بونے میں کامیاب ثابت ہوں، یہ بات ذہن و قلب میں راسخ کی جائے کہ ہماری تمام ضرورتوں میں دین سیکھنا اور اس سیکھے ہوئے دین کو اپنے ماحول میں اس طرح نافذ کرنا کہ دین زندگی میں فقط اقوال کی حد تک نہ ہو بلکہ افعال واعمال میں دین کی روشنی چھا جائے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو قابلیت کی بہت سی ڈگریاں جمع کرنے کے باوجود قرآن کریم کی نظر میں ہم پر گمراہی کی مہر لگی رہے گی جیسا کہ سورۃ الجمعہ میں مقاصد بعثت ذکر کرنے کے بعد فرمایا: ''هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الأُمِّيِّينَ رَسُولاً مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ۔'' (سورۃ الجمعہ)

ترجمہ: ''وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک رسول انہیں میں سے بھیجا، جو ان کے سامنے اس کی آیات پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے؛ حالانکہ بلاشبہ وہ اس سے پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں تھے۔

مسجد ایک بہترین میدانِ عمل:

الغرض اس طریقے سے ائمہ مساجد کے لئے کام کرنے کا ایک بہترین فورم تیار ہو جاتا ہے۔ اس وقت ائمہ کے پاس امت کی تعلیم و تربیت کے لئے ایک بہترین میدان میسر ہے جس میں: ۱- مسجد کی صورت میں ایک منظّم ادارہ، ۲- ائمہ وفضلائے مدارس کی صورت میں قابل اساتذہ، ۳- نمازیوں کی صورت میں طلبا، ۴- پنج وقتہ نمازوں کی صورت میں اوقات تعلیم، ۵- قرآن وحدیث کی صورت میں ایک بہترین نصابِ تعلیم کی سہولیات موجود ہیں۔ ضرورت صرف متحرک اور فکرمند ہونے کی ہے جس کا نتیجہ ان شاء اللہ! اصلاح معاشرہ کی صورت میں نظر آئے گا۔ ذیل میں قرآن کریم کے ذکر کردہ اس لائحہ عمل کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے: ۱- تلاوت، ۲- تعلیم کتاب، ۳- تعلیم حکمت، ۴- تزکیہ۔

۱- تلاوت:

ائمہ مساجد سب سے پہلے اس بات کا جائزہ لیں کہ ان کے مقتدی قرآن کریم پڑھ سکتے ہیں یا نہیں اگر پڑھ سکتے ہیں تو ان کو بہت شوق و محبت کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کے مستقل معمول کا عادی بنایا جائے، تاکہ اسے بلا ناغہ معمول بنالیں۔ جس کے نتیجے میں ان کے گھر، دفتر، دکان، مسجد ہر جگہ تلاوت قرآن کریم کی گونج عام ہو جائے۔

تجوید و ناظرہ قرآن:

اگر قرآن نہیں پڑھا تو تجوید سیکھنے کے لئے ان کو تیار کیا جائے۔ تجوید قرآن ایک بہت مشکل عنوان ہے؛ لیکن حقیقت میں بہت آسان اور معمولی محنت کے ساتھ ہاتھ آنے والا فن ہے۔ مقتدیوں کو سہولت دی جائے کہ آپ فجر سے عشاء تک کسی بھی نماز کے بعد اپنی سہولت دیکھ کر کوئی بھی وقت متعین کر لیں اور روزانہ صرف ۲۰ منٹ نکال کر تجوید کے بنیادی قواعد سیکھ لیں (اس کام کے لئے قرّاء حضرات کی خدمات لی جاسکتی ہیں) اور جب ان کی تجوید درست ہو جائے تو کلمہ، نماز، تسبیحات، آیۃ الکرسی، دعائے قنوت اور دعائیں وغیرہ سکھائی جائیں۔ (ان بنیادی امور کے سکھانے میں بالکل بھی دیر نہ کی جائے، بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ہمارے دروس میں مستقل حاضر مقتدی سے جب اس کا کلمہ سنا جاتا ہے تو وہ بھی درست نہیں ہوتا جب کہ اسے واقعات و مسائل کی بڑی تفصیلات سے آگاہی حاصل ہوتی ہے) اس کے بعد قرآن کریم ناظرہ پڑھایا جائے اور ہو سکے تو فضائل کی مختلف سورتیں مثلاً یٰسین، رحمٰن، کہف اور عم پارہ وغیرہ حفظ کرایا جائے۔ اس طرح ایک عام شخص کا دینیات اور قرآن کریم کی بنیاد کے ساتھ ایک مضبوط تعلق پیدا ہو جائے گا، ان شاء اللہ۔

۲- تعلیم کتاب:

تعلیم کتاب دراصل قرآنی اصطلاح میں اس وسیع تعلیم کا نام ہے جس میں قرآن کریم کے پیغام کا ذکر آتا ہے۔ اس وقت امت مسلمہ قرآن کریم کے پیغام سے کوسوں دور ہو چکی ہے، نہ قرآن کے الفاظ کی اہمیت کا اندازہ ہے اور نہ ہی اس کے معانی کی ضرورت کا ادراک۔ جس طرح قرآن کے الفاظ کی محنت ضروری ہے ٹھیک اسی طرح ان الفاظ کے معانی و مفاہیم جن میں رب العالمین اپنے بندوں سے مخاطب ہیں اس محنت کی بھی اتنی ہی ضرورت ہے۔

یہ امر مسلم ہے کہ امت کا قرآن کریم کے ساتھ تعلق کمزور ہونے کا سب سے بڑا فائدہ ان مختلف گمراہ متجدد دین کو ہوا ہے جو امت کو اسی قرآن کے نام پر اپنی تاریخ و ملت سے کاٹنے کی تگ و دو کرتے رہتے ہیں۔ یہ ایک عام شخص کو

اپنے مخصوص فریبی انداز میں اسلامی تہذیب و تمدن سے متنفر اور غیروں کے طرز فکر سے قریب کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ائمہ کرام مساجد میں قرآنی فکر کو بہت آسان اور معیاری انداز میں امت تک پہنچائیں، مدارس میں قرآن کریم کو جس محنت کے ساتھ ہمیں سکھایا گیا ہے ضروری ہے کہ ہم بھی اس محنت کے بدلے قرآن کے پیغام کو پھیلانے کی سعی کریں۔قرآن کے ذریعے عقائد و نظریات پر خاص طور پر محنت کی جائے، یہ ایسا دور ہے کہ جس میں باطل عقیدہ فکر پر ہر پل حملہ آور ہے، آزادی، مساوات اور ترقی کے نام پر تابڑ توڑ حملے کئے جا رہے ہیں، کثیر تعداد میں افراد اور وسائل صرف کئے جا رہے ہیں، میڈیا، تعلیم ہر طرح سے کوشش کی جا رہی ہے کہ ایک مسلمان کا عقیدہ کسی نہ کسی طرح کمزور یا مشکوک بنایا جائے۔ ایسے موقع پر امام مسجد کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے تمام مقتدیوں کی فکر کرے اور کسی نہ کسی طرح انہیں باطل کے اس منظم شکنجے سے نکال کر ان کے عقیدے کی اصلاح کرے ورنہ ایک وقت آئے گا جب ہماری مساجد میں فقط گنتی کے چند بوڑھے نمازی باقی رہ جائیں گے اور نوجوانوں کا قیمتی سرمایہ اغیار کے مادّی تیر کا شکار ہو چکا ہوگا۔اس حوالے سے نوجوان اور خاص کر بے روزگار ساتھیوں کی بھرپور نگرانی کی جائے کہ کہیں وہ کسی این جی اوز کے جھانسے میں آ کر اپنا معاش حاصل کرنے کی کوشش میں اپنے ایمانی سرمائے کو داؤ پر نہ لگا دے۔

ان تمام مسائل کے حل کے لئے قرآن کریم بہترین اور دوٹوک رہنمائی فراہم کرتا ہے جس سے ایمان و فکر میں پختگی، عزائم میں حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے اور الحادی و مادّی تمام فتنوں کا سدّ باب ہو جاتا ہے۔اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنی مساجد میں دروس قرآن کی منظم ترتیب بنائی جائے۔۱-درس قرآن ،۲-درس تفسیر۔

درس قرآن کی وقت، ماحول اور ضرورت کے مطابق روزانہ، ہفتہ وار اور ماہانہ بہت سی صورتیں ہوسکتی ہیں:۱-موضوعاتی درس قرآن،۲-سلسلہ وار درس قرآن (فاتحہ تا ناس)،۳-درس مضامین قرآن (خلاصہ)، ۴- درس احکام القرآن،۵-درس قصص القرآن،۶-درس تفسیر۔

۲-درس تفسیر کا اصل طریقہ کار یہ ہے کہ اس کے لئے مستقل کچھ ساتھیوں کا انتخاب کیا جائے اور ان مقتدی حضرات کو شریک کیا جائے جو تجوید و ناظرہ کے مراحل سے گزر چکے ہوں، جس کے بعد ان کو چند ماہ بنیادی عربی گرامر سکھلائی جائے اور اس کے بعد باقاعدہ قرآن کی تفسیر ایک فنی انداز میں پڑھائی جائے، اس کے نتیجے میں وہ قرآن کے مباحث کو ایک مضبوط انداز میں سمجھنے کے اہل بن سکیں گے۔

۳-تعلیمِ حکمت:

مقاصد بعثت میں ایک اہم مقصد حکمت کی تعلیم ہے، جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گراں قدر اور قیمتی ارشادات مراد ہیں جس میں قرآن کریم کی تشریح و توضیح فرمائی گئی ہے۔ حدیث دراصل آپ کے اس مکمل طرز زندگی کا نام ہے جسے قرآن ''اسوۂ حسنہ'' کا نام دیتا ہے، جس کی خوبی یہ ہے کہ اس میں گود سے گور تک تمام تفصیلات موجود ہیں۔

حدیثِ رسول ... اور مکمل نظام حیات:

قرآن کے نام پر جو مختلف گمراہ تحریکیں اٹھی ہیں ان کے مختلف مقاصد میں ایک بہت بڑا مقصد یہ بھی تھا کہ امت کو کس طرح حدیث کے اس وسیع علمی ذخیرے سے دور کیا جائے جس میں زندگی گزارنے کی چھوٹی بڑی تمام تفصیلات موجود ہیں اور یہ کام مختلف حربوں سے کیا گیا جس میں حدیث کے تاریخی اور حفاظتی استناد، حدیث کی معیاری حیثیت وغیرہ پر سوال اٹھانا اور کفایت قرآن کے نعروں کا بلند کرنا شامل ہے۔

اس کے علاوہ دور حاضر میں مغربی تہذیب نے ہمیں جو سیکولرازم اور لبرل ازم کا تحفہ دیا ہے اس میں بھی دراصل یہی خواہش پنہاں ہے کہ کس طرح امت مسلمہ کو اس کے اصل دھارے سے ہٹایا جائے۔جس کی آسان تدبیر ان کو یہ سوجھی کہ ذخیرۂ حدیث کے مجموعے ہی کو مشکوک ٹھہرایا جائے، تاکہ امت فقط قرآن کا نعرہ لگا لگا کر تھک جائے اور ان کی تمام تر زندگی اور طرز زندگی مغربی دجالی تہذیب کے مطابق بن جائے۔

حدیث درحقیقت آپ کے ان قرآنی اصولوں کی تشریح ہے جو ہماری زندگی کے ہر موڑ پر ہاتھ پکڑ پکڑ کر رہنمائی کا کام دیتی ہے اور ہمیں ایک آزاد، مادیت اور خواہش پرست انسان بننے کی بجائے عبدیت کے تقاضے سمجھاتی ہے۔ کتب حدیث کی فہرست دیکھ کر اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ حدیث ہمیں زندگی کے تمام ہی نشیب و فراز سے باخبر رکھتی ہے جن میں کتاب الایمان، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج، کتاب الدعواۃ، کتاب الجنائز، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الآداب، کتاب الاخلاق، کتاب المعاشرہ، کتاب المعاملات، کتاب المناقب اور کتاب الفتن وغیرہ شامل ہیں۔اس مختصر سی فہرست سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ احادیث کا مجموعہ صرف عقائد اور عبادات تک محدود نہیں؛ بلکہ حدیث کا ذخیرہ ہمیں

اپنی مکمل زندگی میں مکمل دین پر عمل کرنے کی طرف متوجہ کرتا ہے اور یہی پہلو آج کی سیکولر فکر کے لئے کاٹ کا درجہ رکھتا ہے جسے وہ کسی صورت برداشت نہیں کر سکتے۔ ائمہ مساجد اپنے ہاں تجوید و قرآن کے ساتھ ساتھ اپنے مقتدیوں کو حدیث کے اس تفصیلی رنگ میں رنگانے کا موقع ضائع ہونے نہ دیں؛ بلکہ پیغام رسول کو اپنے ماحول و حالات کی مناسبت سے خوب عام کریں اور اس کے لئے درج ذیل تجاویز پر غور کیا جا سکتا ہے:

درس حدیث تفصیلی:

اس درس کا اصل مقصد عوام الناس کے سامنے دین کی مکمل اور تفصیلی ہدایات کو پیش کرنا ہے جس سے ان کو اپنی مکمل زندگی دین کے مطابق گزارنے کا طریقہ سیکھنے کو ملے جوان کو نظریات، عبادات، (نماز، روزہ، زکوۃ، حج)، اخلاقیات، معاشرت، معاملات اور تعلیمی، قانونی، سماجی، سیاسی، اخلاقی، تجارتی، گھریلو، معاشی وغیرہ ہر طرح سے تفصیلی رہنمائی پیش کرتا ہو۔ اس درس میں شریک ہو کر اس بات کا احساس وفکر بیدار ہو جائے کہ مجھے اس مکمل دین کو سیکھ کر اس پر عمل کرنا ہے جو میری ذات سے شروع ہو کر معاشرہ اور معاشرے سے لے کر ریاست تک مکمل رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ یعنی میں اپنی زندگی کے تمام معاملات میں اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات کا پابند بن جاؤں۔ آپ حدیث کے صرف ایک پہلو کو سمجھ لیں تو اس کی وسعت کا اندازہ ہو جائے گا مثلاً حقوق اللہ کی بیشتر تفصیلات ایمان اور صلاۃ، زکوۃ، حج، اور صوم کے ابواب میں ذکر کی جاتی ہیں اور حقوق العباد کی تفصیل کتاب المعاشرت میں رکھی گئی ہیں جس میں والدین، رشتہ دار، پڑوسی، یتیم، مسکین، میاں بیوی اور بچے شامل ہیں۔ ان تمام کے حقوق کا خیال رکھنے سے ہی ایک ذمہ دار فرد اور صالح معاشرے کا قیام ممکن ہو جاتا ہے۔ (جاری ہے)

تبصرۂ کتب

نوٹ: تبصرہ کے لئے کتابوں کے دو نسخوں کا موصول ہونا ضروری ہے۔ (ادارہ)

کتاب کا نام: درود شریف کی اہمیت وفضیلت، مؤلف: صوفی طارق محمود صاحب، اشاعت جدید پنجم: ذوالقعدہ ۱۴۴۲ھ / جون ۲۰۲۱ء، ناشر: مکتبۃ الارشاد، دکان نمبر ۲۸، جامع مسجد رفاہِ عام، رفاہِ عام سوسائٹی ملیر ہالٹ، کراچی

درود شریف ایسی عبادت ہے، جو اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کو متوجہ کرنے کا ذریعہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا باعث اور فرشتوں کی دعائیں پانے کا وسیلہ ہے۔ بارگاہِ رسالت مآب میں درود وسلام کا ہدیہ پیش کرنے والا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب پاتا ہے اور اپنی مغفرت کا سامان تیار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اہل ایمان کو اس عبادت کی ادائیگی کا حکم دیتے ہوئے اس کی عظمت اور بلندیٔ مقام یوں بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا'' (الاحزاب:۵۶)

ترجمہ: ''اللہ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں رسول پر، اے ایمان والو! رحمت بھیجو اس پر اور سلام بھیجو سلام کہہ کر۔'' (ترجمۂ شیخ الہندؒ)

اہل ایمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام کس طرح بھیجیں اور کن الفاظ کے جامے میں اپنا نذرانۂ عقیدت ومحبت پیش کریں، یہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو سکھا دیا ہے۔ چنانچہ احادیث نبویہ میں درود شریف کے مختلف صیغے مروی ہیں جو کتب احادیث کے سمندر میں صدف وموتی کی طرح چمکتے نظر آتے ہیں۔ ان درودوں کے پڑھنے کے مختلف فضائل، اثرات اور ثواب بھی بے بہا ہیں جو اہلِ نظر وقلب محسوس بھی کرتے ہیں۔ امت کے ہر فرد کو درود وسلام کی بہاریں پانے کے لئے علماء امت نے ایسی کتابیں مرتب فرمائی ہیں جن میں درود وسلام کے صیغوں کو جمع کرکے ایک عام فرد کے لئے ان کا پڑھنا آسان کر دیا ہے۔ ان کتابوں میں علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کی ''القول البدیع'' اور شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی نور اللہ مرقدہ کی ''ذریعۃ الوصول الیٰ جناب الرسول'' (مترجم) کو قبول عام حاصل ہے۔ اسی نوعیت کی ایک کتاب اس وقت ہمارے پیش نظر ہے جو ''درود شریف کی اہمیت اور فضیلت'' کے عنوان سے مؤلف محترم جناب صوفی طارق محمود زید مجدہم نے مرتب فرمائی ہے۔ کتاب میں درود شریف کی اہمیت، فضیلت، برکات، درود وسلام کا حکم، درود شریف کے فضائل، درود پڑھنے والے پر اللہ تعالیٰ کے انعامات، درود پڑھنے کے آداب، احکام و مسائل، درود شریف نہ پڑھنے پر وعیدیں، خاص خاص مواقع پر درود شریف کے پڑھنے کی فضیلتیں اور چند حکایتیں بیان کی گئی ہیں۔ کتاب ماشاءاللہ! تحقیق وتخریج شدہ اور ہر بات کا حوالہ درج کیا گیا ہے۔ جیبی سائز میں طبع کی گئی ہے۔ کتاب کا ورق عمدہ آرٹ پیپر ہے، درود شریف کی باطنی بہاروں کے باوصف کتاب ظاہری حسن اور خوبصورت رنگوں سے بھی آراستہ ہے۔ ناشر مکتبۃ الارشاد نے اہلِ ذوق کے لئے عمدہ ذوق واعلیٰ شوق کے ساتھ شائع کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس محنت کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت عطا فرمائیں اور اہلِ ایمان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کی بارگاہ میں درود وسلام پیش کرنے کی سعادت سے مالا مال فرمائیں، آمین بحرمۃ خاتم النبیین!

(مبصر: مولانا محمد قاسم، کراچی)

نیکی چھپتی ہے اور نہ گناہ!

مولانا سعید احمد جلال پوری شہیدؒ

اللہ تعالیٰ نے جس طرح انسانوں کو ظاہری جسم چھپانے کے لئے لباس عطا فرمایا ہے اور حکم دیا ہے کہ ظاہری لباس پہن کر اپنی شرم گاہوں کو چھپاؤ‘ اسی طرح تقویٰ وطہارت اختیار کرکے انہیں اپنی اندرونی اور باطنی کوتاہیوں کو چھپانے اور مٹانے کا بھی حکم دیا گیا ہے‘ بلکہ باطنی اور اندرونی کوتاہیوں کا تزکیہ وتنقیہ اور ان کا چھپانا اور مٹانا اس سے کہیں زیادہ ضروری ہے‘ چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

’’یَا بَنِیْ آدَمَ قَدْ أَنزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاساً یُوَارِیْ سَوْء اٰتِکُمْ وَرِیْشاً وَلِبَاسُ التَّقْوَیَ ذَالِکَ خَیْرٌ۔‘‘ (الاعراف:۲۶)

ترجمہ:......’’اے اولاد آدم! ہم نے اتاری تم پر پوشاک‘ جو ڈھانکے تمہاری شرم گاہیں اور اتارے آرائش کے کپڑے اور لباس پرہیزگاری کا‘ وہ سب سے بہتر ہے۔‘‘

بلاشبہ انسان اپنا ظاہری جسم اور اس کے خط وخال کسی بھی چیز سے چھپا سکتا ہے‘ چنانچہ کپڑوں کی بجائے درخت کے پتوں سے بھی یہ کام لیا جاسکتا ہے‘ اسی طرح لباس خریدنے کی طاقت و استعداد نہ ہو تو کسی سے مانگ کر بھی اپنا ستر اور شرم گاہ چھپائی جاسکتی ہے‘ لیکن انسان کا اندرون‘ باطن اور باطنی اخلاق وکردار کسی ظاہری لباس اور عارضی اخلاق وکردار یا مانگے تانگے کے اسباب وذرائع سے نہیں ڈھانکا جاسکتا‘ بالفرض اگر کوئی شخص اس کی ناکام کوشش کرنا بھی چاہے تو نہیں کرسکتا۔

اس لئے کہ انسان کا باطن اور باطنی اخلاق وکردار اور چوری چھپے کے اعمال‘ سوسو پردوں کے باوجود بھی ظاہر ہو جاتے ہیں‘ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

’’عن الحسن قال: رأیت عثمان علی المنبر‘ قال ایھا الناس: اتقوا اللہ فی ھذہ السرائر‘ فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: والذی نفس محمد بیدہ ماعمل احد عملاً قط سراً الاالبسہ اللہ ردأہ علانیۃً ان خیراً فخیر وان شراً فشر......۔‘‘ (کنز العمال ص:۶۷۴‘ ج:۳‘ حدیث:۸۴۲۷)

ترجمہ:......’’حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا کہ: لوگو! اللہ سے ان پوشیدہ کاموں میں ڈرو! اس لئے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے‘ جب کبھی کسی بندے نے چھپ کر کوئی عمل کیا‘ اللہ تعالیٰ اس کو ضرور اعلان و اظہار کی چادر پہنا دیں گے‘ اگر اس نے بھلا کام کیا تو اس کو بھلائی کی چادر پہنائی جائے گی اور اگر بُرا کام کیا تو اس کو بُرائی کی چادر پہنائی جائے گی۔‘‘

گویا اس حدیث میں بتلایا گیا ہے کہ کوئی شخص اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ اگر میں سات پردوں میں چھپ کر کوئی گناہ اور بُرائی کروں گا تو اس کی کسی کو اطلاع نہیں ہوگی‘ بلکہ اللہ تعالیٰ اس کو ضرور ظاہر کردیں گے‘ اور اس کا بھانڈا بیچ چوراہے میں پھوڑ دیں گے‘ اس لئے جس طرح تم کھلے عام گناہوں سے بچتے ہو‘ اسی طرح چھپ کر گناہ کرنے سے بھی بچو۔

چنانچہ اگر کوئی شخص رات کی تاریکی میں اور دروازہ بند کرکے کوئی نیک عمل کرے‘ تو اللہ تعالیٰ اس کا چرچا کردیں گے اور مخلوق کو خود بخود خیال آجائے گا کہ بھائی یہ نیک آدمی ہے‘ اور اگر تم رات کی تاریکی میں اور دس پردوں کے پیچھے چھپ کر کوئی گناہ کروگے‘ تو اگلے دن یا اس کے دو چار دن بعد‘ نہیں تو کچھ عرصہ بعد بہرحال اس کا چرچا ہو کر رہے گا کہ یہ اچھا آدمی نہیں ہے۔

چنانچہ مروی ہے کہ بنی اسرائیل جب چھپ کر کوئی گناہ کیا کرتے تھے تو صبح کو ان کے دروازے پر لکھا ہوتا تھا کہ رات کو اس شخص نے یہ گناہ کیا ہے‘ یہ تو اس امت پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی مہربانی‘ ستاری اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت ہے کہ اس امت کے بدکاروں کے دروازوں پر لکھا ہوا نہیں آتا کہ کس شخص نے رات کی تاریکی میں کیا کیا گناہ کئے ہیں! لیکن اس کا یہ معنی بھی نہیں‘ کہ کسی کے اچھے یا بُرے اعمال کے آثار ونشانات بھی اس کے چہرے پر ظاہر نہ ہوں؟

تاہم جن لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن رحمت سے ناطہ توڑ کر کسی دوسرے ملعون سے اپنا تعلق اور رشتہ جوڑ لیا ہے‘ وہ آج بھی بنی اسرائیل کی طرح اسی ذلت سے دوچار ہیں‘ چنانچہ اگرچہ ان کے گھروں کے دروازوں پر یہ لکھا ہوا نہیں آتا کہ انہوں نے رات کی تاریکی میں فلاں‘ فلاں گناہ کئے تھے‘ لیکن بہرحال ان کا خبث باطن بالآخر ظاہر ہو کر ہی رہتا ہے‘ کسی دوسرے سے نہیں‘ بلکہ وہ خود ہی اس کا اعلان کرتے ہیں کہ انہوں نے نہاں خانہ میں یہ یہ کرتوت انجام دیئے تھے‘ اسی قسم کے ایک باغی اسلام کی دلچسپ روئیداد پڑھئے اور حدیث نبوی کی صداقت کی داد دیجئے!

مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے ”تقدس مآب“ خاندان کے کرتوتوں سے کون واقف نہیں ہوگا؟ تاہم جو ناواقف ہیں ان کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ:

مرزا غلام احمد قادیانی کے بعد حکیم نورالدین اس کا جانشین قرار پایا‘ اس کے بعد مرزا غلام احمد قادیانی کا بیٹا بشیرالدین محمود اپنے باپ کی مسند پر براجمان ہوا‘ تو محمد علی لاہوری قادیانی‘ کھل کر بشیر الدین محمود کے خلاف میدان میں آ گیا‘ اور اس نے اپنی الگ لاہوری پارٹی بنالی اور روزنامہ ”الفضل“ قادیان کے مقابلہ میں ”پیغام صلح“ کے نام سے ایک جریدہ بھی شروع کر دیا۔

محمد علی لاہوری...... جو مرزا غلام احمد قادیانی کا نام نہاد ”صحابی“ تھا...... نے کھل کر مرزا بشیر الدین محمود کے خلاف لکھنا شروع کر دیا‘ تیسری طرف اس نے مرزا غلام احمد قادیانی کے صریح دعویٰ نبوت کے علی الرغم‘ مرزا غلام احمد قادیانی کو مسیح موعود اور نیک صالح انسان کہنا شروع کر دیا۔ اس نوک جھوک کے دوران لاہوری مرزائیوں اور قادیانی مرزائیوں کے مابین خطوط کا تبادلہ بھی ہونے لگا۔

لاہوری مرزائیوں کی جانب سے لکھے گئے اسی سلسلہ کے ایک خط کا تذکرہ کرتے ہوئے مرزا بشیرالدین محمود نے جمعہ کے اجتماع‘ جمعہ کے بیان اور عین منبر پر بیٹھ کر جو کچھ کہا‘ وہ ایک طرف اگر قادیانی کردار کی اعترافی شہادت ہے تو دوسری طرف ان کی مسخ فطرت کی بھی کھلی دلیل ہے‘ سمجھ نہیں آتا کہ کوئی شخص اپنے اور اپنے باپ کے خلاف لگائے گئے ایسے گھناؤنے چارج کا اس قدر بے باکی‘ بے شرمی اور ڈھٹائی کے ساتھ اظہار واعلان بھی کر سکتا ہے؟ آخر اس کو یہ خیال کیوں نہ آیا کہ اس سے میری اور میرے باپ کی شلوار اتر جائے گی؟ یا قادیانی نبوت وخلافت کے تقدس کے پردہ میں کی جانے والی گھناؤنی حرکتوں سے پردہ بھی اٹھ جائے گا۔

لیکن غور کرنے کے بعد سمجھ میں آتا ہے کہ اس میں مرزا بشیر کا کوئی قصور نہیں‘ بلکہ مرزا بشیر الدین محمود ”بیچارہ“ مجبور تھا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قادیانی امت پر اتمام حجت کرنے کے لئے ان کے ”بڑوں“ کے غلیظ کردار کو طشت از بام کر کے ان پر جھوٹ اور سچ کو واضح کرنا تھا‘ تا کہ: ”لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَن بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَن بَيِّنَةٍ“ (الانفال:۴۲)...... تاکہ مرے جس کو مرنا ہے قیام حجت کے بعد اور جیوے جس کو جینا ہے قیام حجت کے بعد...... کے مصداق جو ہلاک ہونا چاہے وہ علی وجہ البصیرت ہلاک ہو۔

چنانچہ مرزا بشیر الدین محمود خلیفہ دوم مرزا غلام احمد قادیانی‘ جمعہ کے دن‘ جمعہ کے اجتماع‘ اور جمعہ کے بیان میں برسرِ منبر کہتا ہے:

”لیکن اس قدر اعتراضات کرنے کے باوجود ہر خط میں بڑا اخلاص بھی ظاہر کیا ہوا ہوتا ہے اور لکھا ہوا ہوتا ہے کہ ہم سلسلہ کے خادم ہیں‘ اس کی سلسلہ سے محبت کا اندازہ اسی سے ہوسکتا ہے کہ ایک خط میں جس کے متعلق اس نے تسلیم کیا ہے کہ وہ اس کا لکھا ہوا ہے‘ اس میں یہ تحریر کیا ہے کہ حضرت مسیح موعود ولی اللہ تھے اور ولی اللہ بھی کبھی کبھی زنا کر لیا کرتے ہیں‘ اگر انہوں نے کبھی کبھار زنا کر لیا تو اس میں حرج کیا ہوا؟ پھر لکھا ہے کہ: ہمیں حضرت مسیح موعود پر اعتراض نہیں کیونکہ وہ کبھی کبھی زنا کیا کرتے تھے‘ ہمیں اعتراض موجودہ خلیفہ پر ہے‘ کیونکہ وہ ہر وقت زنا کرتا رہتا ہے‘ اس اعتراض سے پتا لگتا ہے کہ یہ شخص پیغامی طبع ہے‘ اس لئے کہ ہمارا حضرت مسیح موعود کے متعلق یہ اعتقاد ہے کہ نبی اللہ تھے‘ مگر پیغامی اس بات کو نہیں مانتے وہ آپ کو صرف ولی مانتے ہیں۔“ (روزنامہ ”الفضل“ قادیان دارالامان‘ ۳۱/ اگست ۱۹۳۸ء)

اس اقتباس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی اور مرزا بشیر الدین محمود تقدس کے پردہ میں چھپ کر جو کچھ کرتے تھے‘ لاکھ چھپانے کے باوجود وہ کیسے ظاہر ہو گیا؟ پھر اس کا اظہار بھی کسی دوسرے نے نہیں کیا‘ بلکہ خود مرزا بشیر الدین محمود نے ”بہ نفس نفیس“ اس کا اعلان فرمادیا‘ بات صرف یہاں تک نہیں رہی بلکہ قادیانی بزرجمہروں نے اسے اٹھا کر جوں کا توں ”الفضل“ میں شائع بھی کر دیا‘ تا کہ مخالف و موافق سب ہی پڑھیں‘ اسی کو کہتے ہیں: ”جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔“ ☆☆☆

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے ۳۵۰ نادر و نایاب رسائل و کتب کی یکجا اشاعت

تاریخی کارنامہ

حضرت مولانا محمد ازہر مدظلہ

خدائے علیم نے انسان کو افضل ترین مخلوق کے منصب پر فائز کیا اور اس افضیلت کی وجہ سے حسب تصریح مفسرین صفت علم ہے جس کی تائید ''علم ادم الاسماء '' سے ہوتی ہے، اسی صفتِ علم کو بروئے کار لاتے ہوئے وہ معرفت الٰہی، کائنات کے سربستہ اسرار کی کھوج اور خیر و شر کے مابین امتیاز کرتا ہے، حصول علم کی یہ صلاحیت ہر انسان میں فطرتاً ودیعت کی گئی ہے، اب یہ انسان پر ہے کہ وہ اس نعمت کا کتنا بہتر استعمال کرتا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ جب کوئی انسان خدا کی طرف سے ودیعت کردہ صلاحیتیں اکتساب علم میں صَرف کردیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے علوم کسبیہ کے ساتھ ساتھ علوم وہبیہ بھی عطا فرمادیتے ہیں۔

برصغیر کی نابغۂ روزگار شخصیت، گزشتہ صدی کی سب سے بڑی علمی ہستی مجدد الملت والدین، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے حالات پڑھیں تو ان کی کثیر الجہات علمی خدمات کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ رب العالمین نے ان کو علوم وہبیہ سے حظِ وافر عطا فرمایا تھا۔

بالائے سرش ز ہوش مندی
می تافت ستارۂ بلندی

کے بمصداق آپ کو دورانِ طالب علمی آپ کے محبوب استاذ مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ نے فرمادیا تھا کہ: ''تم جہاں جاؤ گے تم ہی تم نظر آؤ گے۔''

''قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید''

چنانچہ آپ نے درس و تدریس، تصنیف و تالیف، وعظ و تقریر، طریقت و سلوک اور دیگر مختلف النوع ایسی دینی خدمات سرانجام دیں جو عدیم النظیر اور فقید المثال ہیں۔ خصوصاً تصنیف کے میدان میں آپ نہ صرف اپنے ہم عصر علماء پر سبقت لے گئے بلکہ متقدمین میں بھی ایسی تصنیفی خدمات کی نظیر خال خال ملتی ہے۔ علمائے اسلام میں ایسے بزرگوں کی کمی نہیں جن کی تصانیف کے اوراق کو اگر ان کی زندگی کے ایام پر تقسیم کیا جائے تو ان اوراق کی تعداد ان کی زندگی کے ایام سے بڑھ جائے گی۔ علامہ ابن جوزیؒ، خطیب بغدادیؒ اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ وغیرہ کے نام اس سلسلے میں لئے جاسکتے ہیں۔ ہندوستان میں اس سلسلے کی آخری کڑی حضرت تھانویؒ تھے۔ آپ کی تصانیف کی تعداد ۸۰۰ کے قریب ہے ۱۳۵۴ھ میں آپ کے خادم مولوی عبدالحق فتح پوریؒ نے آپ کی تصانیف کی ایک فہرست شائع کی جو بڑی تقطیع کے ۸۶ صفحات کو محیط تھی، اس کے بعد آپ نو سال مزید حیات رہے، اس زمانے میں جو تصانیف و رسائل شائع ہوئے وہ ان کے علاوہ ہیں، چنانچہ مسلمانوں کے لئے دین و دنیا کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس پر آپؒ کی مستند و معتبر تصانیف و مواعظ اور ملفوظات موجود نہ ہوں۔ فن تفسیر میں قلم اٹھایا تو ''بیان القرآن'' جیسا شاہکار تخلیق کردیا جسے دیکھ کر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ نے فرمایا کہ: ''میں سمجھتا تھا کہ یہ تفسیر عوام کے لئے ہوگی یہ تو علماء کرام کے دیکھنے کے قابل ہے۔''

علوم القرآن پر جو کتابیں لکھیں ان میں ''سبق الغایات فی نسق الآیات''، ''اشرف البیان'' اور ''تصویر المقطعات'' اپنی مثال آپ ہیں۔ اس طرح فن تجوید میں ''جمال القرآن''، ''تجوید القرآن''، ''تنشیط الطبع فی اجراء السبع'' وغیرہ رقم فرمائیں۔

فقہ کے موضوع پر آپ کی امداد الفتاویٰ کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے، اسی طرح ترجیح الراجح، حوادث الفتاویٰ، بہشتی زیور، بہشتی گوہر وغیرہ۔ علم کلام میں المصالح العقلیہ للاحکام المنقلیہ اور الانتباہات المفیدۃ عن الاشتباہات الجدیدۃ اور اشرف الجواب وغیرہ تصنیف فرمائیں۔

اصلاحیات میں اصلاح الرسوم، اصلاح انقلاب امت، حیاۃ المسلمین اور ملفوظات و خطبات (جو ۶۰ سے زائد جلدوں

پر مشتمل ہیں)۔

الغرض دینیات سے متعلق کوئی ایسا موضوع نہیں جس پر تشنگانِ علم کو سیر حاصل مواد درکار ہو اور حضرت حکیم الامتؒ نے اس پر قلم نہ اٹھایا ہو، چنانچہ اپنے متعلق خود فرماتے ہیں کہ ''الحمدللہ بفضلہ تعالیٰ سب ضروری کام ہوگیا ہے، صدیوں تک کے لئے دین کا راستہ بے غبار ہوگیا ہے اور آئندہ نسلوں کے لئے ان شاء اللہ! میری ہی تصانیف، ملفوظات، مواعظ سے ضروری کام چلتا رہے گا۔''

آپ کے رشحات قلم کو عنداللہ شرفِ قبولیت اور عندالناس جو پذیرائی ملی متقدمین و متاخرین میں اس کی نظیر نہیں ملتی، اگرچہ متقدمین میں کثیر التصانیف بزرگوں کی کمی نہیں ہے لیکن ان کی تصانیف و تالیفات کا ایک معتدبہ ذخیرہ دست بردِ زمانہ کی نذر ہوچکا ہے، لیکن حضرت تھانویؒ کی اکثر تصانیف بحمدللہ! نہ صرف موجود ہیں بلکہ قریب بہ کل منصۂ شہود پر آچکی ہیں۔

حال ہی میں حضرت حافظ محمد اسحاق زید مجدہم مدیر ''ادارہ تالیفات اشرفیہ'' ملتان جو حضرت تھانویؒ کی تالیفات شائع کرنے کے معاملے میں خصوصی ذوق رکھتے ہیں اور ہمہ وقت اس امر میں کوشاں رہتے ہیں کہ حضرتؒ کی تالیفات کو تشنگانِ علم تک پہنچاسکیں، آپ ایک عرصے سے حضرت تھانویؒ کے ان نادر و نایاب رسائل جو قدیم ماہ ناموں یا بڑی کتب میں موجود ہیں ان سب کو شائع کرنے کا عزم کئے ہوئے تھے، اسی سلسلے میں خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون، مظاہر العلوم سہارن پور، دارالعلوم کراچی اور جامعہ اشرفیہ لاہور جیسے مراکز علم سے استفادہ کیا، دو سال کی اس عرق ریزی کے بعد جو رسائل دستیاب ہوسکے ان کی مجموعی تعداد تقریباً ۳۲۵ تک جا پہنچی۔ ان رسائل کو ''مقالاتِ حکیم الامت'' میں ۱۲ عناوین کے تحت مرتب کیا جو اپنی نوعیت کی ایک بے مثال کاوش ہے اور ''جائے بزرگاں بجائے بزرگاں'' کا مصداق ہے۔

محترم حافظ محمد اسحاق زید مجدہم اس حوالے سے خوش نصیب ہیں کہ جس کام کے لئے اہل علم کی ایک مستقل جماعت درکار تھی وہ آپ نے تنہا سرانجام دے ڈالا، بلاشبہ آپ کی یہ کاوش علمی حلقوں پر کسی احسان سے کم نہیں، نیز یہ ایسی وقیع المرتبت تالیف ہے کہ کوئی لائبریری اس سے خالی نہیں ہونی چاہئے۔

''مقالاتِ حکیم الامت'' کی افادیت کے پیش نظر امید ہے کہ دینی، علمی، ادبی اور تدریسی حلقوں میں اسے خاطر خواہ پذیرائی حاصل ہوگی۔ اس علمی خزینہ کی اشاعت کے ساتھ اہل علم کے لئے دوسری خوش خبری یہ ہے کہ ادارہ تالیفات اشرفیہ کے زیر انتظام ''مقالاتِ حکیم الامت'' کی طرز پر قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے گراں قدر رسائل و تصنیفات جن میں سے بعض کمیاب اور بعض نایاب ہیں، کو بھی ''مقالاتِ حجۃ الاسلام'' کے نام سے یکجا کیا گیا ہے جو عنقریب زیور طباعت سے آراستہ ہورہے ہیں۔

مدرسہ عربی مظاہر العلوم سہارن پور کے صدر مفتی حضرت مولانا مفتی مجد القدوس خبیب رومی کے بقول حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کے نزدیک حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کی کتب و رسائل خواص (بلکہ اخص الخواص) کے لئے نافع اور مفید ہیں۔

حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب قاسمیؒ کے بقول حضرت نانوتویؒ امام الاصول تھے۔ حضرت گنگوہیؒ امام الفروع اور حضرت تھانویؒ (اپنے استاد خاص حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کے فیض صحبت کی برکت سے) جامع الاصول والفروغ تھے۔ اس لئے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ملفوظات و مواعظ اور کتب و رسائل سے عوام و خواص دونوں ہی مستفید و منتفع ہوسکتے ہیں۔

آج کے پُرفتن دور میں جب کہ افراط و تفریط عام ہے اور دین کی تشریح کے نام سے نت نئے فتنے سر اٹھا رہے ہیں۔ ان حالات میں ہمارے ان اکابر کی تعلیمات ہی ہیں جن کے متعلق سو فیصد یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے:

''یہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہوگی''

اللہ تعالیٰ حضرت حافظ محمد اسحاق مدظلہ کی تمام مساعی جمیلہ کو اپنی بارگاہِ عالی میں قبول فرماکر ناظرین کے لئے نافع اور ان کے لئے سرمایۂ آخرت بنائیں۔

طباعت: دیدۂ زیب سرورق کے ساتھ عمدہ طباعت، کل مجلدات: ۳۴، قیمت: ۱۲۰۰۰، (اہل علم حضرات کے لئے خصوصی رعایت)،

رابطہ: ۰۳۲۱-۶۳۲۰۷۲۰

(بشکریہ ماہنامہ الخیر ملتان، جون ۲۰۲۱ء)

☆☆..................☆☆

خبروں پر ایک نظر

تمام مسلمانوں کو اسلام اور عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کیلئے جذبہ صدیقی سے سرشار ہو کر میدان عمل میں نکلنا ہوگا

تحفظ ختم نبوت کانفرنس مینارِ پاکستان امت مسلمہ کی رہنمائی اور ناموس رسالت کے تحفظ کا ذریعہ بنے گی: علماء کرام

لاہور (مولانا عبدالنعیم) عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے زیراہتمام تاریخی عظیم الشان ختم نبوت کانفرنس مینار پاکستان کی تیاری کے سلسلے میں ختم نبوت کنونشن منعقد ہوا۔ کنونشن میں علماء کرام، قراء حضرات اور مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد نے بھرپور انداز میں شرکت کی۔ کنونشن میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی سیکرٹری اطلاعات مولانا عزیز الرحمٰن ثانی، قاری جمیل الرحمٰن اختر، مولانا قاری علیم الدین شاکر، پیر رضوان نفیس، مولانا محمد اشرف گجر، مولانا عبدالنعیم، حافظ نصیر احمد احرار، مولانا سیّد عبداللہ شاہ، مولانا خالد محمود، مولانا عبدالعزیز و دیگر نے شرکت کی۔ مولانا عزیز الرحمٰن ثانی نے کہا کہ عقیدۂ ختم نبوت اور ناموس رسالت کا تحفظ ہر مسلمان کی ذمہ داری اور مذہبی فریضہ ہے تحفظ ختم نبوت کانفرنس مینار پاکستان ان حالات میں امت مسلمہ کی رہنمائی اور ختم نبوت اور ناموس رسالت کے تحفظ کا ذریعہ بنے گی۔ تمام علماء اور کارکنان اس کی تیاری بھرپور انداز میں کریں۔ تمام مسلمانوں کو اسلام اور عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے جذبۂ صدیقی سے سرشار ہو کر میدان عمل میں نکلنا ہوگا۔ سازش کے تحت ۱۹۷۳ء کے دستور کے خلاف سازشوں کے جال بنے جا رہے ہیں تمام مکاتب فکر کے علماء اور قائدین کو ان سازشوں کو بھانپ کر ناکام بنانا ہوگا۔ مولانا علیم الدین شاکر نے کہا کہ حکمرانوں نے اسلام، مسلمان اور پاکستان کے خلاف قادیانیوں کی سازشوں سے نہ صرف آنکھیں بند کر رکھی ہیں بلکہ ان کی سرپرستی کر رہے ہیں قوم اور حکمرانوں کو اس بات سے آگاہ رہنا چاہئے کہ قادیانی اسلام، مسلمان اور پاکستان کے لئے یہود و ہنود سے بھی زیادہ خطرناک ہیں۔ مولانا عبدالنعیم نے کہا کہ عقیدۂ ختم نبوت کا دفاع دراصل اسلام کا دفاع ہے، قادیانی جہاں بھی جائیں گے ان کا مقابلہ دلائل اور براہین سے کیا جائے گا، انہوں نے کہا کہ عقیدۂ ختم نبوت کا دفاع کرنے والے ہر وقت اسلام کی افضل ترین عبادت میں مصروف ہیں۔ قادیانی فتنہ سے امت مسلمہ کو بچانا ہم سب کی ذمہ داری ہے۔ حرمت رسول کے تحفظ کا فریضہ سرانجام دینا دنیوی و اخروی نجات کا سبب اور ذریعہ ہے، قادیانی اسلامی عقائد میں تحریف کر کے سادہ لوح مسلمانوں کی آنکھوں میں دھول جھونک رہے ہیں۔☆☆

بقیہ:...... اداریہ

نئے ہجری سال کی آمد ہمیں اپنی پہچان، اپنے شعار، اپنی شناخت اور اپنی تہذیب و ثقافت کو اپنانے کا پیام دے رہی ہے۔ دنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ جو قوم اپنی پہچان، اپنی شناخت، اپنا تشخص اور اپنی تہذیب و ثقافت فراموش کر دیتی ہے، وہ جلد صفحۂ ہستی سے مٹ جاتی ہے۔ اسلامی تقویم کا یاد رکھنا، اسلامی مہینوں کا علم ہونا اور اسلامی تاریخ کو محفوظ رکھنا ہماری ذمہ داری ہے۔ اگر ہم اسے بھلا کر صرف عیسوی کیلنڈر ہی کو اپنالیں گے تو رفتہ رفتہ اپنی شناخت کو کھرچ ڈالیں گے۔ اپنے گھر میں اپنے بچوں اور اپنی آنے والی نسلوں کو اسلامی تقویم سے واقف کرانا ہمارا دینی فریضہ ہے، اسے فراموش نہیں کرنا چاہئے۔ اسی طرح نئے اسلامی سال کی ابتداء کے موقع پر ہمیں اپنے پچھلے پورے سال کا محاسبہ کر کے ان غلطیوں کو دہرانے سے بچنا چاہئے جن کے ارتکاب کی بنا پر امت مسلمہ روز بروز روبہ زوال ہو رہی ہے۔ معاشرے میں پھیلتی فحاشی و عریانی، مادر پدر آزادی، خدافراموشی، مذہب سے بے زاری، غیر مسلم اقوام کی تقلید اور ان سے متاثر ہونے کی پالیسی ترک کر کے اور ان تمام جرائم سے توبہ کر کے ایک نئے عزم، ولولے اور حوصلے کے ساتھ نئے اسلامی سال کا استقبال کیجئے اور معاشرہ میں اسلامی ماحول کو رائج کر کے ایک خداشناس معاشرہ تشکیل دینے کی کوشش کیجئے۔ وما توفیقی الا باللہ!

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیدنا محمد وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین

REGD. SS. 160

لَانَبِیَّ بَعْدِی — تاجدارِ ختمِ نبوّۃ زندہ باد — فرما گئے یہ ھادیؐ

اسلام زندہ باد

ختمِ نبوّۃ کانفرنس

تاریخی

عظیم الشّان

شمعِ ختمِ نبوّت کے پروانوں سے
شرکت کی درخواست ہے

زیرِ صدارت

پیرِ طریقت رہبرِ شریعت
حضرۃ مولانا حافظ ولیِ کامل
محمد ناصر الدّین خان خاکوانی صاحب حفظہ اللہ
نقشبندی مجددی
نائب امیر مرکزیہ
عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوۃ

زیرِ سرپرستی

صاحبزادہ پیرِ طریقت مخدوم العلماء
حضرت مولانا ولیِ ابنِ ولی
خواجہ عزیز احمد صاحب حفظہ اللہ
نائب امیر مرکزیہ
عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوۃ

زیرِ نگرانی

ولی کامل
نمونہ اسلاف
حضرت مولانا مفتی **محمد حسن** صاحب حفظہ اللہ
امیر
عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوۃ لاہور

7 ستمبر 2021

بروز منگل

بعد از نمازِ عصر

بمقام

مینارِ پاکستان
لاہور

شعبہ نشر و اشاعت

عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوّۃ لاہور

0300-9496702
0300-4304277
0300-4275569
0321-9448442